تجلیاتِ الٰہیہ

ازافادات

حکیم الاسلام حضرت مولانا
قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ضبط وترتیب

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر
محمد فضل الرحمٰن محمود

تجلیاتِ الٰہیہ

از: افادات حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
سابق مہتمم دار العلوم دیوبند

مرتب

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

صاحبزادہ و جانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحبؒ

بہ اہتمام

مولانا حافظ شاہ فضل الرحمن محمود صاحب مدظلہ

تفصیلات کتاب

نام کتاب	:	تجلیاتِ الٰہیہ
افادات	:	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ
مرتب	:	حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمن صاحب مدظلہ
صفحات	:	40
تعدادِ اشاعت	:	300
سنہ اشاعت	:	۲۰۱۵ء-۱۴۳۶ھ
کتابت	:	خادم الاولیاء سید عبد السلام شکیل
طباعت	:	عائش آفسیٹ پرنٹرس روبرو ملک پیٹ فائر اسٹیشن، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد۔فون: 9346338145, 9391110835
قیمت	:	

بہ اہتمام

مولانا حافظ شاہ فضل الرحمن محمود صاحب مدظلہ

فہرستِ مضامین

صفحہ	مضامین	سلسلہ
5	انتساب	۱
6	پیش لفظ	۲
7	تجلیاتِ الٰہیہ	
7	مسئلہ تجلی کی علمی نوعیت/تجلی کا مفہوم	۱
8	تجلی کا عرفانی ثبوت	۲
9	مسئلہ تجلی کی نزاکت ودقت	۳
10	تجلی کا قرآنی صبوت: اثبات تجلی میں قرآن کا اسلوب/ وصف سے ذات کا تعین	۴
11	قرآنی تعبیر پر ایک اشکال	۵
12	اثباتِ تجلی کی تفصیل	۶
14	مادی جہاں میں نزول تجلی ممکن	۷
15	تجلی کا برہانی ثبوت	۸
16	بیت اللہ کے متابدر معنیٰ/ خانہ خدا کا صحیح مفہوم	۹
17	تمثیلی دلیل	۱۰
19	مکین کعبہ مکان سے بالا/عکس خداوندی کا تمثیلی ثبوت	۱۱
21	کعبہ میں ذات حق کی جلوہ نمائی	۱۲

۱۳	اورہم اس کوتجلی کا برہانی ثبوت کہہ سکتے ہیں/ تجلی کا عیانی ثبوت	22
۱۴	کائنات میں تجلیات کا تصرف/ عناصر اربعہ میں تجلیات کی کارفرمائی	23
۱۵	عنصر خاک	24
۱۶	عنصر آب/ عنصر آتش	25
۱۷	عنصر ہوا اور حقائق اشیاء سے اس کی مناسبت	28
۱۸	تجلی خلقت اور تجلی ہدایت/ قرآنی ثبوت	31
۱۹	دونوں تجلیات کا محل استقرار	32
۲۰	اصل مبداء فیض/ ذرات میں پوشیدہ آج محل تجلی ہے	33
۲۱	تجلی اور مادہ کا علاقہ/ عناصر اربعہ میں کارفرما تجلیات	34
۲۲	تجلی کا وجدانی ثبوت اور تجلیات کی رنگارنگی/ تجلی کیلئے قرآنی اشارے	36
۲۳	ثبوتِ تجلی کے تین اصول	37
۲۴	رنگ برنگ تجلیات/ تجلی اعدام یا تجلی امات	38
۲۵	تجلی عرش	39

✡✡✡✡✡✡✡✡✡

انتساب

مہتمم دار العلوم دیو بند۔ و۔ حکیم الاسلام

حضرت مولانا **قاری طیب** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کے

فیض تربیت و تعلیم میں

احقر کو شرکت کا اللہ نے موقع نصیب فرمایا۔

حق تعالی

انہیں مقام رفیع میں اپنا قرب نصیب فرمائے۔ آمین

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد

برادرانِ اِسلام

اصلاً یہ کتاب اقتباس ہے حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ کی کتاب -"مقاماتِ مقدسہ"- کا جس میں حضرتؒ نے تجلیات الٰہیہ کا نزول ومحل نزول ونیز اس کے ذریعہ کائنات میں شیونات ِ ربانی کی جلوہ فرمائی پر استدلال کیا ہے چونکہ ہمارے سلسلہ میں تجلیاتِ الٰہیہ کا لفظ بالعموم مستعمل ہے تو اس کی حقیقت کیا ہے، اس طرف توجہ دلانے کیلئے سرخیل العلماء حضرت حکیم الاسلام کی تصنیف سے استفادہ کرتے ہوئے یہ مضمون مرتب کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ احباب خوب فائدہ اُٹھائیں گے۔

اللہ رب العزت قبولیت ومقبولیت وفہم نصیب فرمائے۔ آمین

العبد

محمد کمال الرحمن قاسمی

تجلیات الٰہیہ

مسئلۂ تجلی کی علمی نوعیت

یہ ذہن نشین کرلیا جائے کہ یہ عکس وانعکاس کا مسئلہ کوئی منطق اور فلسفی نظریہ نہیں کہ اسے عقل یا مثالوں سے حل کیا جائے اور نہ ہی کوئی فقہی احکام کا مسئلہ ہے کہ اجتہاد سے اسے سمجھ لیا جائے بلکہ حقائق کا مسئلہ ہے اور وہ بھی دقیق ترین اس لئے اس کے بارے میں ارباب حقائق اصحاب مشاہدہ اور عرفاء امت کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہوگا اور انھیں کے اقوال وتصریحات اورتشریحات کے دائرہ میں رہ کر تجلی کا مفہوم سمجھا جاسکتا ہے پھرانہیں کی توضیحات وتشریحات کی روشنی میں اس کا شرعی مفہوم سمجھا جاسکے گا سو جہاں تک ان ارباب باطن کے اکتشافات کا تعلق ہے اس کا حاصل یہ ہے:

تجلی کا مفہوم

عکس صورت مثالی کو کہتے ہیں جو کسی شفاف جسم یا آئینہ میں منعکس ہوجائے جو مادی نہیں ہوتی کہ اسے چھوکر ہاتھ کوٹکر لگے بلکہ علمی ہوتی ہے،جس کا محل ضرب قلب ودماغ ہوتا ہے پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عکسی صورت عینی صورت کے عین مطابق ہوتی ہے جس سے صورت والے کا تعارف ہوتا ہے۔ باالفاظ دیگر اس عکسی صورت اور اصلی صورت میں عینیت اور اتحاد کا علاقہ ہوتا ہے غیریت یا تخالف کا علاقہ نہیں ہوتا ورنہ عکس یا فوٹو دیکھ کر اصل کا پہچاننا اور باور کرنا ہی ممکن نہ ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ آئینہ میں وہی صورت تو نظر آتی ہے جو آئینہ کے باہر ہے آئینہ سے کوئی دوسرا یا غیر تو نہیں جھانکتا کہ اس عکسی صورت کو صورت غیر کہہ دیا جائے،اس لئے عکس

دیکھتے ہی آپ اصل کو پہچان لیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں صاحب ہیں اور یہ فلاں شئی ہے، اگر یہ عکسی صورت اصلی صورت کا غیر ہوتی تو یہ پہچان کبھی ممکن نہ ہوتی آپ زید کی عکسی صورت یا فوٹو دیکھ کر کبھی عمر کو نہیں پہچانتے بلکہ زید ہی کو پہچانتے ہیں کیونکہ زید کی یہ مثالی اور عکسی صورت عمر کی نہیں بلکہ عمر کی صورت کا غیر ہے اور غیر سے اصل کی پہچان ممکن نہیں، ادھر زید کی یہ مثالی صورت اس کی اصل صورت کا عین ہے اس لئے اس سے زید ہی کی پہچان ہوگی نہ کہ عمر کی۔ بہر حال عکسی صورتوں سے صاحب صورت کی پہچان کی بنیاد دونوں صورتوں میں عینیت اور اتحاد کے علاقہ کی بناء پر ہے پس عکس کی صورت میں ذات تو وہی ایک کی ایک رہتی ہے لیکن صورتیں اسکی دو ہوجاتیں ہیں ایک اصلی صورت جو ذات کے ساتھ قائم رہتی ہے اور جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی اور ایک عکسی اور مثالی صورت جو آئینہ میں نظر آتی ہے اور ذات سے جدا بھی ہوجاتی ہے مگر پھر بھی رہتی ہے صورت اسی کی گویا اس سے جدا ہو کر بھی وہ اس سے جدا نہیں ہوتی کہ اسے غیر کہہ دیا جائے اس لئے ان دونوں صورتوں سے ذات ہی پہچانی جاتی ہے اور ظہور ان سے ذات ہی کا ہوتا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ اصلی صورت سامنے آجائے تو وہ ذات کے ظہور کا اعلیٰ اور کامل درجہ ہوگا اور عکسی صورت سامنے ہو تو وہ ظہور ذات کا ثانوی مرتبہ ہوگا مگر دونوں صورتوں میں تعارف اور ظہور ذات ہی کا ہوگا نہ کہ ایک سے ذات کا اور ایک سے غیر ذات کا ہاں اگر آئینہ ہی سامنے نہ ہو یا آئینہ کا رخ پھرا ہوا ہو تو پھر نہ صورت سامنے رہے گی اور نہ اس سے ذات کے ظہور کی بن پڑے گی، اس لئے اب سمجھ لینے کا مقام آ گیا کہ تجلی ذات حق کا وہ عکس ہے جو بظاہر اس سے جدا نظر آتا ہے مگر بحقیقت نہ اس سے جدا ہے اور نہ اس کا غیر ہے۔

تجلی کا عرفانی ثبوت

اس تجلی یا اس صورت مثالی کی حقیقت کو عارف باللہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ حضرت الامام الشاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے جسے تفسیر مظہری میں بذیل تجلی طور عرفاء امت کا مسلک ظاہر کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قالت الصوفیہ التجلی ظھور الشئی فی المرتبۃ الثانیہ کظھور زید فی المِرأۃ

وليس هو رؤيت الذات فان الله سبحانه لما نفى الرؤ ية لموسى عليه السلام بالتاكيد (بقوله لن ترانى) مع كونه اقوىٰ استعداداً من الجبل لا يتصور حصوله للجبل۔ (تفسیر مظہری)

ترجمہ حضرات صوفیاء نے فرمایا (جبکہ حقائق باطنیہ کوبھی ارباب معرفت زیادہ سمجھتے ہیں) کہ تجلی کے معنیٰ کسی شئی کے مرتبۂ ثانی میں ظاہر ہونے کے ہیں جیسے زید آئینے میں ظاہر ہوجائے تو یہ عین ذات کا دیکھا جانا نہیں (جو رؤیت کا اعلیٰ مرتبہ ہے) بلکہ عکس کا دیکھا جانا ہے جو دیدار کا مرتبۂ ثانیہ ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست أَرِنِي کا نفی میں جواب دیا بوجہ ضعف انسانی ومحل ظلمانی یعنی مادی دنیا کے ونیز حضرت موسیٰؑ مقبولِ بارگاہِ خداوندی اور اولوالعزم پیغمبر تھے، درخواست کلیۃً بھی رد نہ کی بلکہ شرط لگادی کہ آپ پہاڑ کی طرف دیکھتے رہیں، اور فرمایا کہ لَنْ تَرَانِي۔ تو باوجود یکہ موسیٰ علیہ السلام میں قوت دیدار پہاڑ سے کہیں زیادہ تھی اور پھر بھی تجلی کا دیدار نہ ہوسکا تو جبل میں تو تجلی یا دیدار ہوجانے کی کیا صورت ہوسکتی تھی جبکہ موسیٰ علیہ السلام بھی یہ دیدار نہ کرسکے (اسلئے یہ ظہور حق مرتبۂ ثانوی میں ہوا جس کا نام تجلی ہے)۔

بہر حال اس سے تجلی کی نوعیت اور اسکا مفہوم ظاہر ہوجاتا ہے جسے تجلی کا محض تنقیحی دعویٰ ہی نہیں بلکہ دعوی کے پیرایہ میں تجلی کا عرفانی ثبوت بھی کہہ سکتے ہیں جو قرآنی ثبوت کیلئے ایک مقدمہ اور ایک پیش خیمہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ہم نے اس عرفانی ثبوت کو قرآنی ثبوت سے مقدم رکھا ہے تا کہ اس کے ذہن میں حاضر رہنے پر قرآنی ثبوت باسانی ذہن نشین ہوجائے۔

مسئلۂ تجلی کی نزاکت ودقت:

تجلی کا مفہوم متعین ہوجانے کے بعد اس کے شرعی دلائل اور ثبوت کا مرحلہ آتا ہے جو بے حد نازک، دقیق اور عسیر الفہم ہے جس میں اصل اصول قرآنی ثبوت ہے۔ جبکہ یہ مسئلہ دین کا ہے اور پھر دین کے بھی باطنی حصہ کا ہے جو یقیناً باریک اور پیچیدہ ہے، ادھر ہم جیسے نا کارہ طالب علموں کی رسائی محدود اور اقل قلیل ہے اور بواطن قرآنی میں تو صفر کے برابر ہے اس لئے اس پر قلم اٹھانا آسان نہیں بلکہ ممکن ہے کہ بے ادبی اور بیجا جسارت وجرأت سمجھا جائے لیکن جبکہ اس کتاب

کے موضوع کا اہم حصہ ہی صورت کعبہ کے ساتھ حقیقت کعبہ پر روشنی ڈالنا ہے اور یہ حقیقت نمائی بغیر مسئلۂ تجلی کی نقاب کشائی کے ممکن نہ تھی اسلئے چار و نا چار کتاب وسنت آثار سلف اور عرفاء امت کے انکشافات کی روشنی میں حق تعالیٰ نے جو کچھ دل میں ڈال دیا ہے اسکا اظہار کر دینا امید ہے کہ داخل بے ادبی نہ ہوگا بلکہ تحدیث بالنعمۃ کا عمل شمار ہو سکے گا۔ وباللہ التوفیق

تجلی کا قرآنی ثبوت: اثبات تجلی میں قرآن کا اسلوب

مسئلۂ تجلی کے اثبات میں قرآن حکیم نے جو اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے تجلی کی جنس تو اپنی واضح عبارت سے ثابت کر دی۔ اور یہ کہ تجلیٔ الٰہی اس مادی کائنات میں اتر سکتی ہے اور اتری ہے تا کہ جنس تجلی عمومی انداز اور اصولی رنگ سے ثابت ہو کر تمام خصوصی انواع تجلی کے ثبوت کا مأخذ قرار پائے اور اس ماخذ کے تحت تمام انواع وافراد تجلی کے اسی ماخذ سے ثابت شدہ نظر آئیں۔ اس لئے اثبات تجلی کی آیت (فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ) میں کسی مخصوص تجلی یا کسی خاص نوع تجلی کا نام نہیں ملتا بلکہ تجلی کا ذکر جنس کی صورت سے فرمایا گیا ہے نیز محل تجلی کا ذکر بھی اسم جنس ہی کے عنوان سے کیا گیا ہے کہ پہاڑ پر اتری، کسی خاص پہاڑ کا نام لے کر نہیں فرمایا گیا البتہ قرآن نے ان خاص خاص تجلیات اور ان کے مواقع نزول کے آثار اور اوصاف واحوال بلا تشخیص نام کے ضرور ضرور ذکر کر دئے ہیں جو تجلی کے سوا کسی اور مفہوم پر منطبق ہی نہیں ہو سکتے اور ان سے تجلی ہی سمجھی جا سکتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کھل جاتا ہے کہ تجلیات کے مواقع نزول بھی اپنے مخصوص احوال کی رو سے طبعاً اسی نوع کی تجلی کے متقاضی تھے۔

وصف سے ذات کا تعین:

ارباب قلوب اور اصحاب تفقہ نے ان مخصوص احوال واوصاف کو سامنے رکھ کر اپنی فراست باطنی سے مگر بہ امداد معانی ونصوص اور بتقاضائے آثار سلف ان تجلیات کا اور ان کی نوعیتوں کا پتہ لگا لیا اور تجلی کی نوعیت متعین کر کے نمایاں کر دیا کہ فلاں اسم فلاں صفت خداوندی کی تجلی ہے لیکن جبکہ تجلیت کی یہ تعین خود ان منصوص اوصاف واحوال کے تقاضوں سے ہوئی جو نص میں مذکور تھے تو ایسی تجلیات اگر عبارت النص سے ثابت شدہ نہ بھی ہو تو دلالت النص اور

اقتضاء النص یا اشارۃ النص سے ثابت شدہ مانی جائے گی جنہیں نص سے ہی ثابت شدہ مانا جائیگا اور کہا جائیگا جبکہ دلالت النص اور اقتضاء النص یا اشارۃ النص بھی نص ہی کی اقسام ہیں اور بروے اصول نص ہی کہلاتی ہیں۔ اوران سے ثابت شدہ حقیقت بھی منصوص ہی سمجھی جاتی ہے۔ اسلئے ان تجلیات خاصہ کا ثبوت بھی منصوص مانا جائیگا نہ کہ محض استنباطی یا اجتہادی......
چنانچہ نفس تجلی نص قرآنی (فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ) کھلی دلیل ہے جو تجلی کے ثبوت کا ماخذ ہے جس کی تفصیل چند سطور کے بعد سامنے آجائیگی۔

قرآنی تعبیر پر ایک اشکال:

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ طور کی تجلی کو تو قرآن نے خاص طور سے نام لے کر ذکر کیا ہے اور تجلی کعبہ کا جو اول ترین اور اقدم واہم ترین تجلی تھی جس پر جہانوں کی کتنی ہی عبادات کا مدار تھا اپنی عبارت میں کہیں ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی تجلی اقصیٰ کا کوئی ذکر کیا گیا جبکہ اقصیٰ بھی طور سے تو بہر حال افضل ہی تھی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شبہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوتا کہ اس کا دفعیہ کیا جائے کیونکہ جیسے کعبہ واقصیٰ کے نام سے کسی تجلی کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے ایسے ہی تجلی طور کے نام سے بھی کسی تجلی کا ذکر کسی آیت قرآنی میں مذکور نہیں بلکہ یہاں بھی تجلی طور میں محل تجلی کے کچھ اوصاف ہی ذکر کئے گئے ہیں جن سے یہ تجلی، تجلئ طور کہلاتی ہے کہ ایسے ہی کعبہ واقصیٰ میں بھی مورد تجلی کے اوصاف واحوال ہی کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے تجلی مفہوم ہوئی نام کسی مقام کا نہیں لیا گیا یعنی جیسے آیت فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ میں صرف جنس تجلی کا ذکر ہے تجلی خاص کا ذکر نہیں اور الجبل سے پہاڑ بھی صرف جنس کے درجہ میں نمایاں ہوتا ہے خاص طور کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ دوسرے دلائل اور قرائن سے متعین ہوجائے کہ یہ الجبل طور ہی تھا جس پر تجلی اتری اور مسجد کے درجہ میں کعبہ واقصیٰ ہی مراد ہیں جن پر تجلی وارد ہوئی ہے اس سے صاف واضح ہے کہ آیت فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ کا مقصود صرف تجلی کی جنس ثابت کرنا ہے کہ وہ مادیات کی کسی جنس مثلاً پہاڑ یا درخت وغیرہ پر اتر سکتی ہے اور اتری ہے تجلئ خاص کا ذکر مقصود نہیں سو ایسے ہی اگر کعبہ

واقصیٰ کے نام سے کسی تجلی خاص کا ذکر قرآن میں نہ ہوتو طور کا تقابل ڈال کر طور اور تجلی طور کا کی افضلیت کا شبہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کہ اس کے دفعیہ کے لئے کوئی کلام کیا جائے۔

اس لئے جیسے تجلی طور اور محل تجلی یعنی طور کا تعین اس کے لئے خاص اوصاف واحوال کے ذریعہ کیا جائیگا نہ کہ آیت فَلَمَّا تَجَلّٰى سے ایسے تجلی کعبہ واقصیٰ کا اثبات بھی ان کے مواقع تجلی ہی کے منصوص احوال وآثار سے کیا جائیگا جس میں ان تینوں مقامات مقدسہ کی تجلیات اطلاق کے ساتھ تو گھیرے ہوں گی اور جنس تجلی کی حد تک کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہوگی پس آیت فَلَمَّا تَجَلّٰى کا موضوع اور محیط فائدۂ تجلی کی جنس کا ثبوت دینا ہے نہ کہ تجلئ طور کی تشخیص کر کے اسے ثابت کرنا۔

اثبات تجلی کی تفصیل:

قرآن حکیم کے اس اسلوب کو سامنے رکھ کر اب نفس تجلی کے اثبات کے بارہ میں غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ آیت فَلَمَّا تَجَلّٰى سے تجلی کو قرآن نے اصولی انداز سے ثابت فرمایا ہے جس سے نفس تجلی کا قطعی ثبوت ہوجاتا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے بنی اسرائیل کو جب مصر کے زمانۂ قیام کی پریشانیوں اور فرعونی مظالم اور اسکی غلامی کی جکڑ بندیوں سے بطفیل موسیٰؑ چھٹکارا نصیب ہوا تو بحر قلزم سے پار ہو کر انہوں نے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمارے لئے کوئی آسمانی شریعت لے آئے تاکہ ہم دلجمعی سے اس پر چلیں اور اپنی زندگی رضائے الٰہی کے مطابق گزاریں تو موسیٰؑ نے ان کی یہ عرضداشت بارگاہ خداوندی میں پیش کی جس پر انہیں چالیس دن طور پر چلہ کشی اور اعتکاف کرنے کا حکم ملا۔

یہ مدت پوری ہوجانے پر حق تعالیٰ نے موسیٰؑ کو شرف ہم کلامی بخشا، توراۃ عطا فرمائی کلام الٰہی کے بلا واسطہ سننے سے جو بے پایاں لذت انہیں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے حق تعالیٰ کے دیدار کی آرزو کرنے لگے اور ذوق وشوق کی فراوانی سے بے ساختہ درخواست کردی کہ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ط اے میرے پروردگار اپنے کو مجھے دکھلا دیجئے کہ ایک نظر آپ کو دیکھ لوں۔ جواب میں فرمایا گیا قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ج فرمایا کہ تم مجھے اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے ،لیکن تم دیکھتے رہو پہاڑ کی طرف

اگر وہ ٹھہرا رہا تو تم مجھ کو دیکھ لو گے۔ حاصل یہ تھا کہ مخلوق کا یہ ضعیف وفانی وجو اور اس کے فانی قویٰ اور اس فانی دنیا میں اس ذوالجلال والاکرام کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے یہ دیدار اگر ہو سکتا ہے تو عالم مابعد الموت میں موت کے بعد ہی ممکن ہے جبکہ انسان کو کمال تجرد اور انتہائی روحانیت کی لطافت کا مقام مل جائے اور بدنی کثافتوں کا ذرا سا بھی لوث اس میں باقی نہ رہے گا کہ اتنی لطافت کے بغیر اس لطیف وخبیر کا دیدار ہو جانا حسب آیت

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ ناممکن ہے نیز آخرت میں بھی عین ذات کا دیدار تو بدستور ناممکن ہی رہے گا، البتہ ایسی تجلی کے پردہ میں دیدار ہوگا جو اقرب الی الذات ہونے کی وجہ سے مثل ذات ہی کے ہوگی جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ دیدار دنیا میں شرعاً ممتنع ہے گو عقلاً ممتنع نہیں ورنہ موسیٰؑ کبھی عقلی محال کی درخواست نہ فرماتے۔

بہرحال قول حق کے مطابق اس مشروط دیدا کا موقع آیا پہاڑ پر تجلی اتری مگر طور اس کی تاب نہ لا سکا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰؑ بھی بحال خود نہ رہ سکے بیہوش ہو کر گر پڑے حالانکہ یہ تجلی پل بھر بھی پہاڑ پر نہ ٹھیری بلکہ ذرا سی جھلک دکھلا کر اور پہاڑ کو محض چھو کر ہی آناً فاناً رخصت ہو گئی۔ اس پر بھی نہ طور اپنی حالت پر باقی رہا اور نہ موسیٰؑ ہی اپنی حالت ہوش وحواس کو برقرار رکھ سکے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ پس ان کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیے اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے ظاہر ہے کہ جب پہاڑ پر ہلکی سے ہلکی تجلی اور اسکے لمس (چھو دینے) کو بھی برداشت نہ کر سکا تو انسان ضعیف البنیان اس ذات لطیف وخبیر کے دیدار کی کیا تاب لا سکتا تھا گو موسیٰ علیہ السلام کا قلب مبارک اور ان کا دیدۂ بصیرت پہاڑوں سے کہیں زیادہ اقویٰ اور لطافت کے اعلی مرتبہ پر پہنچا ہوا تھا لیکن یہاں گفتگو قلب وبصیرت کی قوتوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ مادی مخلوقیت کے اعتبار سے ہے کہ آیا اس مادی کائنات کی کوئی مخلوق تجلی کا تحمل کر سکتی ہے یا نہیں؟ سو ظاہر ہے کہ بحیثیت مادی مخلوق ہونے کے انسان پہاڑوں سے کہیں زیادہ کمزور اور ناتواں ہے خود قرآن حکیم نے بھی اس معیار کی رو سے انسان کے بارے میں اس ضعف وناتوانی کی تصریح فرمائی ہے کہ لخلق السمٰوٰت

والارض اکبر من خلق الناس آسمانوں اور زمینوں کی خلقت انسانی خلقت سے کہیں زیادہ بڑی ہے۔

اس تخلیقی اصول پر جب تجلی کا تحمل اقویٰ ترین مخلوق پہاڑ بھی نہ کر سکا تو یہ اضعف ترین انسانی مخلوق اسے کیا برداشت کر سکتی تھی جس کی خلقی شان ہی بدء فطرۃ سے ناتوانی بتلائی گئی ہے کہ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۲۸ اور انسان پیدا کیا ہی گیا ہے کمزور اور جب اس ضعف و ناتوانی کے ساتھ اس دیدار میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ محل دیدار دنیا کا مادی عالم ہی تھا جو کثیف در کثیف تھا تو اس ظلمانی جہاں میں وہ نور مطلق ذات موسوی کے سامنے کس طرح نمایاں ہوتی ؟

اسلئے بلحاظ ضعف انسانیت اور بلحاظ ظلمانیت محل دیدار کا انکار فرما دیا گیا لَنْ تَرٰنِيْ اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن جبکہ موسیٰ مقبول بارگاہ اور اولوالعزم پیغمبر تھے تو درخواست کلیۃً رد بھی نہیں کی گئی بلکہ یہ شرط لگادی گئی کہ اچھا آپ اس جبل عظیم کو دیکھتے رہیں ہم تجلی اتارتے ہیں اگر یہ پہاڑ باقی رہ گیا تو آپ ہمیں دیکھ لیں گے پس اس شرط سے تجلی اتری جس کا ذکر قرآن حکیم نے فرمایا۔

مادی جہاں میں نزول تجلی ممکن:

غرض اس آیت سے تجلی کا نزول حق تعالیٰ کے قول و فعل دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے جس کے قطعی ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا قولاً اس لئے کہ کلام الٰہی میں فقط تجلی کے ساتھ نزول تجلی قولاً ہی وارد ہے اور فعلاً اس لئے کہ تجلی کا نازل فرمانا حق تعالیٰ کا فعل تھا اور وہ فعلاً خود ہی متجلی تھے جس سے واضح ہے کہ تجلی اس کائنات میں اتر سکتی ہے۔ نیز یہ بھی نمایاں ہو گیا کہ جب بھی تجلی کسی محل پر ظاہر ہوگی تو محل تجلی ہی کی مناسب حال ظاہر ہوگی جس کا پتہ اس کے آثار سے چل جائیگا۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر محل تجلی کثیف محض ہے تو تجلی کا نزول تو ممکن ہے مگر نزول کے ادنیٰ مرتبہ ہی میں ممکن ہے پھر اس سے یہ بھی کھل جاتا ہے کہ کثیف مواقع پر اگر تجلی آتی بھی ہے تو اپنے پورے جمال و کمال کے ساتھ نہیں آتی کہ اس کا تحمل کثیف محلات کیلئے ممکن نہیں۔ اس لئے پہاڑ پر اگر تجلی اتری بھی تو وہ صرف تجلی کی ایک جھلک تھی اور وہ بھی چھو جانے کی حد تک نہ کہ استقرار کی حد تک کہ اسے بھی طور برداشت نہ کر سکا چنانچہ کعب احبارؓ کی روایت میں ہے کہ

ماتجلی من عظمة الله الجبل الا مثل سم الخیاط حتی صار دکاً۔ اللہ نے پہاڑ پر عظمت حق کی تجلی صرف سوئی کے ناکہ کے برابر اتاری جس سے وہ مٹی کا ڈھیر ہوکر رہ گیا۔

اور یہ سوئی کے ناکہ کے برابر تجلی ہزاروں حجابات کے اندر رہ کر ہوا جیسا کہ جعفر ابن سعید سعدی کے اثر میں وارد ہے کہ ان الله اظهر من سبعین الف حجاب من النور اللہ تعالیٰ نے یہ سوئی کے ناکہ کی بقدر اور آناً فاناً بھی تجلی کا نور ستر ہزار نورانی پردوں میں چھپا کر ظاہر فرمایا (لیکن اسے بھی طور اور موسیٰؑ برداشت نہ کر سکے)۔

اور پھر یہ تجلی بھی ذات وصفات کی نہ تھی بلکہ آثار سلف کی رو سے محض نور عرش کی ایک جھلک تھی گویا فعل الٰہی کا ایک جلوہ تھا نہ کہ ذات کا۔

بہر حال اس آیت کریمہ اور اس کے مؤید آثار سلف سے قطعیت کے ساتھ اتنا ثابت ہوجاتا ہے کہ اس مادی جہاں میں کسی مخلوق پر تجلی خداوندی اتر سکتی ہے جو نفس تجلی کے نزول کا واضح اور قطعی ثبوت ہے۔

تجلی کا برہانی ثبوت

تجلی کا قرآنی ثبوت سامنے آجانے کے بعد ظاہر ہے کہ کسی اور ثبوت یا دلیل کی حاجت نہیں رہتی خواہ وہ عقلی ہو یا انسانی مشاہدہ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کی ثابت کردہ چیز فطری ہوتی ہے اور فطرت سے نہ عقل منہ موڑ سکتی ہے اور نہ مشاہدہ اسکے خلاف جا سکتا ہے، اس لئے اگر عقلی اور برہانی دلائل سے کسی قرآنی دعوی کی تائید ہوتی ہے تو اسکو پیش کر دینے میں بھی کوئی تامل نہیں بلکہ اس لحاظ سے ضروری بھی ہے کہ عقل پسند ارباب حجت بھی اس راستہ سے مسئلۂ تجلی کو مان سکیں گے اور حقیقت سے دور نہیں رہیں گے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ برہانی طور پر بھی تجلی کا مفہوم سامنے لایا جائے اور وہ یہ ہے کہ عرف عام میں ساری دنیا اسی چوکور گھر کو کعبہ اور قبلہ کہتی ہے جو مکہ کے مقدس شہر میں سیاہ لباس اوڑھے ہوئے نمایاں ہے اسی کو خانۂ خدا کہا جاتا ہے اور اسی کو بیت اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر نہ صرف مخلوق ہی اسے خانۂ خدا کہتی ہے بلکہ خالق کائنات نے بھی اسے اپنا گھر کہہ کر

پکارا ہے اور خانۂ خدا ہی کے نام سے اسے روشناس کرایا ہے۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی تطہیر کا حکم دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝۲۶ (حج)

اور اے ابراہیم پاک کر میرے گھر کو طواف کرنے والوں۔ اعتکاف کرنے والوں۔ اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے۔

بیت اللہ کے متابدر معنٰی

اس مرحلہ پر یہ تخیل پیدا ہوسکتا ہے کہ کسی کے گھر ہونے کے معنیٰ عرفاً اور عادتاً بھی ہوتے ہیں کہ گھر والا اس گھر میں مقیم ہو اس لئے جب آیت بالا میں کعبۂ مقدسہ کو بیتی کے لفظ سے اپنا گھر فرمایا گیا تو اس کے متابدر اور ظاہری معنیٰ بھی نکلتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس گھر میں مقیم ہیں کیونکہ صاحب خانہ کے معنیٰ ہی مقیم خانہ کے ہوتے ہیں نہ کہ اس کے ساز و سامان یا لوازم خانہ کے رکھنے کی جگہ کے یا محض اس کے نام کی تختی آویزاں کر دینے کے یا اس کے علمی آثار کے نقوش و رسوم اور نوشتوں یا صنعتی نمونوں یا صنعتی آلات و اسباب رکھنے کی جگہ کے ہوتے ہیں بلکہ ایسے مواقع کو گھر کہنے کے بجائے گودام یا دفتر یا دیوان یا مکتبہ یا کارخانہ کہتے ہیں خانہ نہیں کہتے خانہ اور بیت اس کو کہتے ہیں جس میں صاحب خانہ خود فروکش ہو پس بیتی فرمانے سے کعبہ میں قیام خداوندی کا تصور آنا طبعی بات ہے۔

خانہ خدا کا صحیح مفہوم

لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ مکان خداوندی ہونے کے یہ معنیٰ تو ہو نہیں سکتے کہ معاذ اللہ عین ذات خداوندی خود اس میں اتری ہوئی قیام پذیر ہو کہ اس لامحدود و لطیف و خبیر ذات کا جو جسم و روح اور ان کے عوارض سے پاک ہے کیسے ممکن ہے کہ کوئی ظرف اور وہ بھی محدود یا جہت و سمت اس کا احاطہ کر سکے جبکہ جہتیں اور سمتیں خود ہی اس کے احاطہ میں آئی ہوئی ہیں۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (القرآن)

تو گھری ہوئی چیز اپنے گھیرنے والی چیز کو کیا گھیر سکتی ہے کہ یہ کھلا ہوا اجتماع ضدین ہے

جسے عقل وفطرۃ برداشت نہیں کرسکتی کہ ایک چیز محیط بھی ہو اور اسی آن وہ خود اپنی ہی احاطہ کردہ شئ کے احاطہ میں بھی آئی ہوئی ہو، چنانچہ بیہقی کی روایت فرمودہ ایک طویل اثر میں حق تعالیٰ شانہ نے خود اس کی نفی فرما دی ہے کہ وہ کسی گھر میں مقیم ہو، چنانچہ فرمایا کہ:

فھو صفوتی من البیوت ولست اسکنہ ولیس ینبغی ان اسکن البیوت ولا ینبغی لھا ان تحملنی

وہ کعبۂ مقدسہ میرا منتخب گھر ہے گھروں میں سے مگر میں اس میں سکونت نہیں رکھتا اور نہ یہ میری شان کے لائق ہے کہ میں گھروں میں رہوں اور نہ ہی ان گھروں کی طاقت ہے کہ وہ میرا تحمل کرسکیں۔ (درمنثور)

نیز مکان خداوندی ہونے کے یہ معنی بھی نہیں ہوسکتے کہ خدا کی ذات یا اسکے وجود کا کوئی حصہ یا ٹکڑا اس سے کٹ کر اس میں آ گیا ہو اور باقی ماندہ اپنی جگہ ذات میں رہ گیا ہو کہ اس ذات واجب الوجود کا وجود بھی اس کی ذات پاک کی طرح ترکیب وتحلیل سے پاک ہے کہ معاذ اللہ اس کے اجزاء ترکیبی ہوں جن کے حصے بخرے کرنے کا کوئی تصور کسی ذہن میں قائم ہوسکے؟ کسی شئ کی ترکیب اس کے حادث اور نو پید ہونے کی دلیل ہوتی ہے جس سے اس کی قدیم اور لم یزل ولایزال ذات بری ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے یہی کہہ کر اس تجزیہ کی نفی بھی فرمائی ہے کہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا) جس سے ترکیب اور تجزّی اور اجزاء کی کلی نفی ہوجاتی ہے۔

تمثیلی دلیل

محسوسات ہی کو دیکھ لیا جائے کہ وہ ذات لطیف وخبیر اور نور مطلق تو وراء الوریٰ ہے اس کی وہ مادّی مخلوق بھی جسے اس نے لطافت ونورانیت بخشی ہے بوجہ لطافت ونورانیت تجزیے اور حصے بخرے سے مبرا ہے شمع کی لو اور اس کی روشنی کے ٹکڑے کون کرسکتا ہے کہ اس کی روشن لو یا روشنی کا آدھا حصہ اس سے کاٹ کر کسی جگہ پہنچا دیا جائے اور آدھا اس میں چھوڑ دیا جائے آفتاب و ماہتاب کی روشنیوں کے حصے بخرے کون کرسکتا ہے کہ ان کا کچھ نور ان سے جدا کرکے کہیں اور

پہنچا دیا جائے۔اور کچھ ان میں رہنے دیا جائے۔روح ایک نورانی جسم لطیف ہے تو اس کے حصے بخرے کب ممکن ہے کہ آدمی کسی کی روح کا کوئی حصہ لے کر دوسرے میں فٹ کر دے اور کچھ اس میں رہنے دے تا کہ کسی نہ کسی حد تک دونوں زندہ رہیں نور مطلق ذات بابرکت جو نورانیت و لطافت کے سب سے انتہائی اور لامحدود مقام پر ہے اس کے یا اسکے وجودی انوار کے حصے بخروں کا تصور کون ذی شعور کر سکتا ہے ذات باری کو کسی مکان میں تصور کرنا محالات کا تصور ہے۔

دوسرے یہ کہ ذات اقدس واعلی تو نور مطلق ہے اور مخلوق ظلمت محض ہے وہ وجود مطلق ہے اور مخلوق عدم ہے ان ضدین کا اجتماع بصورت حلول یا تجزیہ آخر کون سی عقل کے دائرے میں آسکتا ہے جو سر تا سر محال عقلی ہے نور اگر ظلمت میں آجائے تو جس حد تک نور آجائے گا اسی حد تک ظلمت ختم ہو جائے گی اس لئے ظلمت نور کا ظرف نہیں بن سکتی اور بنیگی تو خود ختم ہو جائیگی البتہ کسی حد تک محل بن سکتی ہے جب کہ اس ظلمت کو مٹانا یا گھٹانا مقصود ہو نہ کہ برابری کے ساتھ نور و ظلمت دونوں کو جمع رکھنا پس ذات اقدس واعلی کا یا اس کے وجود باجود کا یا معاذ اللہ اس کے کسی مفروضہ حصہ کا کسی مادی پیکر میں حلول کر جانا اور سما جانا سب محالات سے بڑھ کر محال ہے ساتھ ہی یہ بھی تو دیکھا جائے کہ اگر اسکے وجود یا اس کی ذات کے ٹکڑے اس سے منفصل ہو کر موجودات میں اترے ہوئے بطور فرض محال کے فرض بھی کر لئے جائیں تو اتنے حصے وجود سے اس کی ذات کو خالی ماننا پڑے گا جو مخلوق میں اتر آیا ہو اس صورت میں ذات کے اتنے حصہ میں عدم ماننا پڑیگا کہ وجود کا اتنا حصہ خدا میں نہ ہو سو یہ اس سے بھی بڑھ کر محال ہے کہ اس لطیف وخبیر کو کسی حصہ وجود سے خالی مان کر عدم سے آلودہ تسلیم کیا جائے اور وجود کے حصہ اس میں آتے جاتے تسلیم کئے جائیں کہ یہ شان جسمانی اور حادث اشیاء کی تو ہو سکتی ہے کہ ان میں وجود آبھی جاتا ہو اور ان سے چھن کر چلا بھی جاتا ہو وجود آنے سے زندہ ہو جاتی ہو اور وجود چلے جانے سے مردہ ہو جاتی ہو اگر خدائے لم یزل ولا یزال کو بھی معاذ اللہ ایسا ہی مانا جائے کہ اس کے کسی نہ کسی حصہ پر عدم یا موت وفنا طاری ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ خدا کے ایک ایک حصہ کو میت یا وجود سے خالی مان کر ایک نہ ایک دن مجموعہ خدا یا کل خدا کو بھی معاذ اللہ میت اور بے وجود ماننا پڑے گا، سو وہ کون احمق اور فاتر

العقل ہوگا جو اس احمقانہ تخیل کا تصور بھی کرسکتا ہو اور اس کی الٹی عقل خدا کی موت کو تسلیم کرسکتی ہو؟
العیاذ باللّٰہ العلی العظیم وسبحان حی الذی لا یموت ولا یفوت

مکین کعبہ مکان سے بالا

بہر حال بیت اللہ یا خانۂ خدا میں عین خدا یا معاذ اللہ مفروضہ اجزا خدا کے اترے ہوئے ہونے کا قضیہ کھلے ہوئے محالات میں سے ہے اس لئے خدا کے گھر کے معنیٰ اس گھر میں خدا کے بسنے یا رہنے کے قطعاً نہیں ہوسکتے اس لئے کعبہ میں اس کے مکین ہونے کے معنیٰ صرف یہی ہوسکتے ہیں اور یہی ہیں بھی کہ ذات بابرکات حق اپنے وجود باجود کے ساتھ اپنے ہی مقام رفیع وبلند پر رہتے ہوئے اپنے کمالاتی جلووں اور پرتووں سے اس میں نمایاں ہو جس سے یہ جہت کریمہ اور یہ بیت مبارک اولاً وجود کے نور سے خود منور ہو اور پھر وہی وجودی جلوے اسکے راستے اور واسطے سے دوسرے ممکنات تک بھی پہنچیں اور انہیں بھی وجود سے روشن اور منور کر دکھلائیں۔

عکس خداوندی کا تمثیلی ثبوت

اسے ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ جیسے سورج کے سامنے اگر شفاف آئینہ رکھ دیا جائے تو سورج اپنی پوری تمازت ونورانیت کے ساتھ اس میں جلوہ گر ہوجاتا ہے بلکہ اس آئینہ کے سامنے اگر دوسرے اور سینکڑوں آئینے تقابل صحیح کر کے ایک کے بعد دیگرے رکھے جاتے رہیں تو وہی سورج ان میں بھی واسطہ در واسطہ جلوہ فرما نظر آئیگا اور اپنے سامنے آئی ہوئی ہر چیز کو منور کردے گا مگر اس کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہوتے اور نہ کوئی سمجھتا ہے کہ عین آفتاب آئینہ میں اتر آیا ہے کہاں زمین سے لاکھوں گنا بڑا سورج اور کہاں یہ زمین کا ایک چھوٹا سا حقیر ٹکڑا (آئینہ) کہ اس بالشت بھر کے ٹکڑے میں یہ لاکھوں گنا بڑا لمبا سورج بعینہٖ سما جائے۔ عقل تو بجائے خود ہے بلید حس بھی اسے گوارا کرنے کو تیار نہیں بلکہ اس کے برعکس عقل وحس دونوں ہی کی آنکھ اس کا مشاہدہ رکھتی ہے کہ سورج آئینہ میں نمایاں ہونے کے وقت بھی بدستور اپنی ہی بلندیوں پر درخشاں رہتا ہے اور پھر بھی آئینہ میں جلوہ فرما ہوجاتا ہے۔

نیز آفتاب کے آئینہ میں آجانے کے یہ معنیٰ بھی نہیں ہوسکتے کہ اس کے نور کے حصے بخرے ہوہوکر کچھ حصے آئینے میں آگئے ہوں اور کچھ سورج میں رہ گئے ہوں جو اسکی نورانیت کے ناقص ہوجانے کے ہم معنیٰ ہیں ورنہ کائیناتوں کو روشنی بخشتے بخشتے اس کا نور تو کبھی کا رخصت ہو چکا ہوتا اور جتنا رہتا وہ پھیکا پڑ چکا ہوتا کہ دیکھنے والی نگاہوں کیلیے وجہ خیرہ بھی نہ رہتا اور ہر نگاہ سورج کو ٹکٹکی باندھ کر بآسانی دیکھ لیا کرتی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آئینہ میں سورج نہ تو خود آتا ہے اور نہ اس کا کوئی حصہ اس سے جدا ہوکر آتا ہے بلکہ اسکا عکس نمودار ہوتا ہے اور بڑی سے بڑی چیز کا عکس چھوٹی سے چھوٹی چیز میں بھی آسکتا ہے آسمان کا عکس آنکھ کے تل میں اتر آتا ہے اور کہا کرتے ہیں کہ آسمان میری نگاہ میں ہے یعنی اسکا عکس اور اسکی عکسی صورت یا مثالی صورت میری آنکھ میں ہے نہ کہ عین آسمان کا یہ عظیم کرہ آنکھ میں آیا ہوا ہے۔

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کی تل میں ہے دکھائی دیتا

آدمی دریاؤوں پہاڑوں اور وسیع سے وسیع سبزہ زاروں کو دیکھتا ہے تو ان کے عظیم عظیم نقشے سب کے سب اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ اسکی آنکھ میں اتر آتے ہیں اور ذہن کے چھوٹے سے ظرف میں جمع ہوکر قائم ہوجاتے ہیں اور باقی بھی رہتے ہیں کہ جب چاہے دھیان کرکے انہیں قوت خیالی سے دیکھ لے پچاسوں میلوں کے پھیلے ہوئے شہروں کا عکس بالشت بھر کے دماغوں میں پنہاں ہوجاتا ہے کہ جب چاہو دھیان کرکے دیکھ لو۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

غرض عکس یا صورت مثالی کتنی ہی بڑی چیز کی ہو چھوٹے سے چھوٹے محل میں اتر آتی ہے پھر اسی کے ساتھ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ عکس آفتاب کو خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے ظرف میں آیا ہوا ہو آفتاب ہی کہا جاتا ہے عام محاورہ میں بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم نے آئینے میں سورج دیکھا یا سورج کا گہن دیکھا درآنحالیکہ آئینے میں سورج کی یہ اصلی صورت نہیں ہوتی جو اس کی ذات کے

ساتھ قائم ہے بلکہ مثالی صورت ہوتی ہے جسے عکس کہتے ہیں اور پھر بھی اسے سورج ہی کہا جاتا ہے

کعبہ میں ذات حق کی جلوہ نمائی

بلاتشبیہ اسی طرح اگر ذات بابرکت خداوندی بھی اپنی لامحدود بلندیوں اور عظمتوں پر رہتے ہوئے اس فضائے خاص کے آئینہ میں یعنی بیت اللہ میں اپنا عکس جمال نمایاں فرما دے اور پھر اس کے انوار و کمالات کا کوئی حصہ نہ اس سے کٹ کر محل انوار میں آئے اور نہ ہی اس سے منفصل ہو بلکہ اس کا پورا کا پورا عکس اتر آئے تو اس میں کیا استبعاد اور کون سا اچنبھا ہے کہ اس کے ماننے میں تامل کیا جائے بس اسی جلوہ پیرائی اور عکس نمائی کو شریعت کی زبان میں تجلی کہتے ہیں سو خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ میں خدا کے مقیم ہونے کے معنیٰ خود خداوند ذوالجلال کے اس میں ٹھیرے ہوئے ہونے یا اس میں اترے ہوئے ہونے کے نہیں۔العیاذ باللہ بلکہ جلووں کے اتر آنے کے ہیں جسے عام زبان میں عکس اور شرعی زبان میں تجلی کہا گیا ہے سو وہی تجلی یا عکس فضائے کعبہ میں جلوہ افروز ہے اور وہی اس کائنات سفلی میں اس کی اولین تجلی ہے جو خانہ کعبہ کی فضائے خاص میں منعکس ہے۔

پس جیسے آئینہ میں سورج کا عکس دیکھ کر کہا کرتے ہیں کہ ہم نے آئینہ میں سورج دیکھا اسی طرح بیت اللہ میں بھی عکس خداوندی آیا ہو یقین کر کے اگر کہنے والے یہ کہیں کہ کعبہ میں ہم نے خدا دیکھا تو اس میں اور اس میں فرق کیا ہے کہ اس میں کوئی تحیر پیش آئے ہاں اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ سورج اور اس کا جلوہ وضیا حسی ہے جسے حسی آنکھ یعنی چشم بصارت دیکھ سکتی ہے لیکن وہ خداوند ذوالجلال جو مادہ وروح سے بری وبالا اور لطافت کے انتہائی لامحدود مقامات کی بلندیوں پر ہیں نہ خود حسی ہیں نہ اس کے وجودی انوار وکمالات حسی ہیں بلکہ غیبی اور معنوئی ہیں تو اسے دیکھنے کیلئے آنکھ بھی حسی نہیں بلکہ معنوئی ہی درکار ہوگی جسے ہم چشم بصیرت کہتے ہیں دل کے اندھے اسے نہیں دیکھ سکتے جیسے آنکھ کے اندھے سورج یا اسکے عکس کو نہیں دیکھ سکتے پس سورج کا عکس اور اس کا جلوہ و پرتو تو چشم بصارت سے نظر آتا ہے اور خالق سورج کا عکس اور اسکا جلوہ اور پرتو چشم بصیرت سے دیکھا جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ خانۂ کعبہ میں خدا تو نہیں مگر خدا کا جلوہ ضرور موجود ہے اور اس جلوہ نمائی اور عکس ریزی ہی کا نام شریعت کی زبان میں تجلی ہے اس سے نمایاں ہوجاتا ہے کہ کعبہ کی حقیقت درحقیقت اس ملک قدوس کی تجلی اور اسکا عکس پاک ہے جو اس فضاء خاص میں اترا ہوا ہے نہ کہ عین ذات اتری ہوئی ہے جس سے عقل بھی بتصریحات بالا منکر نہیں ہوسکتی پس خانۂ کعبہ میں خدا کے قیام کے معنیٰ تجلی ٔ خداوندی کے قیام کے ہیں نہ کہ عین ذات کے قیام کے جس سے عقل نہ صرف یہ کہ انکار نہیں کرتی بلکہ اور اسے معقول کہتی ہے وہ اسکے نزدیک بدیہی ہے جسے برہان اور قیاس تمثیلی سے ثابت مانا جائیگا۔

اور ہم اسکو تجلی کا برہانی ثبوت کہہ سکتے ہیں

خانۂ کعبہ میں اسی تجلی کی عبادت کی جاتی ہے کیونکہ عکس شئی شی کا غیر نہیں ہوتا بلکہ عین ہوتا ہے اس لئے اسکی عبادت عین خدا کی عبادت ہے جسکی کچھ تفاصیل آگے بھی آرہی ہیں۔

تجلی کا عیانی ثبوت

لیکن اسے سوء اتفاق کہا جائے یا حسن اتفاق کہ آج کی دنیا مشینی دور اور صنعتی بحران کی وجہ سے مادی محسوسات میں گھری ہوئی ہے جن میں اسے رات دن حسیات ہی سے کام پڑتا ہے اس لئے اولاً تو وہ شریعت سے گر کر عقل کے نیچے آگئی تھی اور اب عقل سے نیچے اتر کر حس پر آگئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عقلی کلیات اور نظریات ہی کو نہیں بلکہ شرعیات اور ان میں بھی غیبی حقائق حتیٰ کہ تجلی تک کو بھی حسی ترازو میں تولنا چاہتی ہے درآنحالیکہ حقائق مذہب اور حقائق غیب حسیات کے دائرے کی چیزیں ہی نہیں کہ کوئی انہیں بینائی یا شنوائی کی گرفت میں لاسکیں اس لئے تجلی کو آنکھ سے دکھلا دینے کا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی خوشبو کو آنکھوں سے دکھلا دینے یا آوازوں کو ناک سے سنوا دینے کا مطالبہ کرنے لگے تو جیسے یہ مطالبہ اور سوال باطل اور خلاف فطرۃ ہوگا ایسے ہی تجلیٔ خداوندی کو آنکھوں کی گرفت میں لے آنے کا مطالبہ باطل اور بے معنیٰ ہے لیکن آج جب سابقہ ہی خوگران محسوس سے پڑ گیا ہے تو اس مطالبہ کو کلیۃً نظرانداز کرنا بھی مشکل ہے ممکنہ حد تک جواب دہی کی فکر بہرحال کی جانی ضروری ہے کہ تجلی کو کسی حد تک مشاہدہ کے نقطۂ نظر

سے بھی سمجھا یا جائے گو اس کے اثبات میں ایک حد تک فلسفیانہ پیچیدگیوں اور شرعی گہرائیوں سے گذرنا پڑے گا لیکن بہ مجبوری اسے انگیز کرنا پڑیگا۔

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

کائینات میں تجلیات کا تصرف

پس انہیں تجلیات نے ذات کی طرف سے واسطۂ فیضان بنکر جب عناصر کو اپنا جلوہ گاہ بنایا جو علم الٰہی میں غیر مادّی اور محض علمی صورتوں سے مندرج اور لپٹے ہوئے تھے تو ہر ہر عنصر کی لیاقت واستعداد کے مطابق ایک ایک اسم الٰہی کی تجلی نے اسے تصرفات کیلئے چھانٹ لیا اور اس پر اس اسم الٰہی کے وہی انوار پڑے جو اس عنصر کی طبعی اور نوعی صفات کے مناسب حال تھے اور ان کی ان علمی صورتوں کو علم ازلی میں منطوی اور لپٹی ہوئی تھیں خارج کی مادی شکل دی اور ان اسماء کے نور کے جلوے بھی اسی شئی کی صورت میں ڈھل کر اس میں متمثل ہو گئے جس سے اس شئی کے وہ خواص وآثار نمایاں ہوئے جو اس کی نوعی صورت میں فطرۃ الٰہی نے ودیعت کئے ہوئے تھے پس ظاہر میں تو شئی اپنی نوعی صورت سے وہ خواص وآثار نمایاں کرتی ہے جسکو فلاسفہ صورت نوعیہ کا تقاضہ کہتے ہیں اور حقیقتاً وہ نور تجلیات کے آثار ہوتے ہیں جو اس شکل کے پردہ میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

اس صورت حال کو سامنے رکھ کر اول عناصر ہی پر غور کیا جائے جن میں وہ آگ بھی شامل ہے جو سائنسدانوں کو ذراتی بم کے نیچے نظر آئی مگر وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے کہ ان ذراتی عنصر کا بقاء اور تھماؤ بلکہ وجود اسی سے وابستہ تھا بلکہ یہی صورت تمام عناصر اربعہ کی بھی ہے کہ ان سے وابستہ اشیاء کا قیام بظاہر ان سے ہے اور بحقیقت ان پر وارد شدہ تجلی سے ہے جو اس میں کار فرما ہے۔

عناصر اربعہ میں تجلیات کی کارفرمائی

چنانچہ جب ہم عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا، مٹی کو دیکھتے ہیں جو مادۂ عالم بنے ہوئے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارے عناصر ایک درجہ کے نہیں بلکہ کثافت اور لطافت کے لحاظ سے ان کے

درمیان میں کافی فرق اور تفاوت ہے اور اسی فرق کی بقدر ان کے آثار و افعال میں بھی فرق ہے۔

عنصر خاک

ان میں کثیف ترین عنصر مٹی ہے جس میں کسی مادی کدورت کے سبب کسی سطحی صفائی اور ظاہری ستھرائی کا وجود نہیں نہ اسکی صورت ہی چمکدار ہے نہ اس میں کوئی اندرونی شفافی ہے کہ اپنے اندر کی چھپی ہوئی چیزوں کو نمایاں کر سکے نہ بدنی لطافت ہے کہ نگاہوں کو آر پار کر کے اپنے سے باہر اور پرے کی چیز دکھلا سکے نہ نفوذ ہی کی صلاحیت ہیکہ دوسری اشیاء میں از خود گھس کر ان میں رچ بس سکے پھر ایک کثیف ہی نہیں بلکہ کثافت آور بھی ہے کہ جس چیز کو لگ جاتی ہے اسے بھی میلا کچیلا اور کثیف بنا دیتی ہے غرض عنصر خاک کثیف مطلق اور جامد محض ہے کہ نہ خود متحرک ہے نہ محرک بلکہ صرف ایک انفعالی مادہ ہے جو مختلف صورتیں اور ہیئتیں قبول کر سکتا ہے فاعلیت کا کوئی جوہر اپنے اندر نہیں رکھتا کہ اپنی ارادی حرکت سے از خود کوئی فعل کر سکے اس لئے حق تعالیٰ نے اس سے صورت سازی ہی کا کام لیا کہ اس کے کسی جز کو تو انسانی صورت دیدی کسی کو حیوانی ہیئت دی کسی کو جمادی شکل دی اور کسی کو نباتی شباہت عطاء فرمائی پھر اس خاک ہی کے ذرات سے اس کی مجموعی صورت بھی بنائی جو زمین کہلائی اور پھر اس کے دخان و بخار سے آسمانی صورت تیار فرمائی جس سے زمین و آسمان کی درمیانی مخلوقات کی صورتیں بنیں اور ان سے وہ آثار و افعال ظاہر ہوئے جو ان کی نوعی صورت میں ازل سے رکھ دئے گئے تھے غرض عنصر خاک سے پیکر سازی اور صورت سازی کا کام لیا گیا جیسے فرمایا کہ:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝۷۱ پھر اس کی تصویری ہیئت مختلف موطنوں کے لحاظ سے بدلتی رہیں مگر ساری صورت سازیاں ہوئیں اسی عنصر خاک سے اور اسی خاکی عنصر کے مادۂ منویہ سے رحم مادر میں نوع بشر کی صورت آرائی فرمائی هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ اور کہیں فرمایا: وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۔

اس مادۂ خاکی سے حیوانات کی مختلف انواع صورتیں نمایاں ہوئیں اور اسی سے نباتات کی لاکھوں صورتیں بنائیں: یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ

وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ط

غرض ان ذرات خاک سے ساری ہی مادی مخلوقات کی تصویر سازی کا کام لیا کہ اس مادہ میں صرف اسی کی طبعی صلاحیت تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عنصر خاک پر حق تعالیٰ کی صفت المصور کا نور پڑا ہوا ہے جس سے اس میں طرح طرح کی صورتیں اور شکلیں نمودار ہو رہی ہیں۔

عنصر آب:

پانی کو دیکھا جائے تو وہ اپنی صورت نوعی کے لحاظ سے خاک اور ذرات خاک سے کہیں زیادہ لطیف ہے شفاف بھی ہیکہ بیرونی صورتوں کا عکس بھی دکھلا دیتا ہے لطیف بھی ہے کہ اپنے اندر کی چیزیں بھی نمایاں کر دیتا ہے خود حرکت بھی کرتا ہے کہ اچھلتا کودتا اور موجیں مارتا رہتا ہے اور نشیب آ جائے تو اس کی طرف خود ہی دوڑ جاتا ہے خواہ اسے میلوں کا سفر کرنا پڑے نفوذ کی صلاحیت بھی ہے کہ اشیاء کے مسامات میں خود ہی گھس جاتا ہے پھر جہاں بھی پہنچتا ہے وہیں زندگی اور تازگی کے آثار نمایاں کر دیتا ہے حتی کہ زمین بھی اگر خشک سالی سے مردہ ہو چکی ہو تو پانی برسنے پر وہ بھی زندہ ہو جاتی ہے درخت اور پتے مردنی سے زرد رو ہو چکے ہوں تو برسات سے ہرے بھرے ہو جاتے ہیں اور ان میں اگانے اور تولید کی شانیں پیدا ہو جاتی ہیں حیوان بھی اگر رو بہ فنا ہو تو پانی ملتے ہی تازہ دم ہو جاتا ہے غرض لطافت اور سرایت کر جانے کے سبب اس میں حیات آفرینی کا جوہر نمایاں ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے اس سے حیات بخشی کا کام لیا۔

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَيۡءٍ حَيٍّ ط - اور ہم نے بنایا پانی سے ہر زندہ چیز کو۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پانی پر حق تعالیٰ کی صفت الحئ کی تجلی کا نور پڑا ہوا ہے جو اس سے حیات آفرینی کا کام لے رہا ہے۔

عنصر آتش:

آگ کو دیکھا تو اس میں پانی سے بھی زیادہ لطافت ہے پانی باوجود لطیف ہونے کے پستی پسند ہے کہ بالطبع نیچے ہی کی طرف جاتا ہے لیکن آگ اپنی لطافت کی بنا پر مادہ سے علو پسند ہے کہ اس کی لو ہمیشہ اوپر ہی کی طرف جاتی ہے پھر پانی اپنی حالت میں نشیب کا محتاج ہے لیکن آگ

ابھرنے میں کسی خاص نشیب وفراز کی محتاج نہیں وہ نشیب وفراز کے ہر ہر گوشے میں اپنی جگہ خود نکال لیتی ہے یہ ضرور ہے کہ اگر آگ کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے لیکن اگر حسن تدبیر سے کام لیا جائے تو وہی پھر اشیاء کیلئے ذریعہ بقاء اور سبب استحکام بھی ثابت ہوتی ہے اور جانداروں تک کو حرارت ہی سنبھالے ہوئے ہے اگر حرارت باقی نہ رہے تو وہ موت کے منہ میں چلے جائیں جسے اطباء حرارت غزیری سے تعبیر کرتے ہیں گویا حرارت ایک غزیرہ ہے جو اشیاء کی جبلت میں رچا ہوا ہے۔ نباتات میں بھی شام کے وقت گرمی ابلتی محسوس ہوتی ہے اگر اس میں سے یہ حرارت کلیۃً نکل جائے تو یہی ان کی مردنی کا وقت ہوتا ہے جمادات کو اگر گرمی نہ سنبھالے تو وہ ٹھٹر کر اپنی ہستی ہی ختم کر دیتے ہیں خواہ کچھ بھی بن جائیں مگر انکی اصلی ہیئت کذائی باقی نہیں رہتی سردی میں ہر جاندار آگ یا دھوپ کی حرارت لینے اور تاپنے کیلئے دوڑتا ہے کہ اسکے بغیر وہ ہلنے جلنے کے قابل نہیں رہتا اسلئے آگ بقاء زندگی کی علامت سمجھی جاتی ہے گویا آگ میں اشیاء کو تھامے رکھنے اور بقاء پزیر کرتے رہنے کی صلاحیت ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اس سے بقاء اشیاء اور تھام سنبھال ہی کا کام لیا۔ آدم کا پتلا بھی بنایا تو کھنکتی مٹی سے بنایا کہ حرارت کے بغیر مٹی کھنکتی نہیں ہوسکتی۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِۙ ﴿۱۴﴾ اللہ نے انسان کو کھنکتی مٹی سے بنایا۔

آسمان بھی بنائے تو دھوئیں سے جو آثار آتش میں سے ہے خواہ وہ زمین ہی کے غبار کا بخار ہو اسی جبلی منشاء حرارت و لطافت مادہ کی وجہ سے آسمان بہ نسبت زمین کے زیادہ صلابت و پختگی لئے ہوئے ہے جو ہزاروں ہزار برس سے لاتغیر ہے اور اس میں بقاء طویل کی شان پائی جاتی ہے قرآن حکیم میں بھی اس کے اس استحکام اور اس میں کسی قسم کا کریک یا پھٹن نہ ہونے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا‌ ؕ مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ‌ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ ﴿۴﴾

آگ کی یہ ابقائی شان ایک ایسی حسی حقیقت ہے کہ ہر انسان اسے بیرونی مشاہدہ کے بغیر خود اپنے اندر حس سے بھی محسوس کرتا ہے کہ اس کے نفس میں آگ موجود ہے اور اپنا کام کر رہی ہے ہاتھ کو ہاتھ سے رگڑا جائے تو گو شعلہ تو نمودار نہیں ہوتا مگر شعلہ کی سی گرمی اور تپش ضرور نمایاں ہو جاتی ہے دوڑ بھاگ کی حرکت کرنے یا مشقت کا کام انجام دینے سے تن بدن گرما جاتا ہے اور اس میں سے آگ نکلنے لگتی ہے غصہ کے وقت جو آتشیں اثر ہے چہرہ حرارت سے تمتما اٹھتا ہے اور آگ کی طرح سرخ انگارا سا ہو جاتا ہے لڑائی بھڑائی ہو جاے یا کشتی میں زور آزمائی ہونے لگے تو بدن سے گرمی اور آگ سی برسنے لگتی ہے حتی کہ جمادات جو بھاگ دوڑ یا غصہ وخفگی یا لڑائی بھڑائی اور دنگا فساد تو نہیں کر سکتے کہ اسکا تعلق فہم وشعور اور حرکت ارادی سے ہے جس سے وہ محروم ہیں مگر ٹکرا سکتے ہیں اور ٹکرائے جاتے ہیں جس سے وہ اپنی زندگی کا ثبوت دیں خواہ وہ انسانی فعل ہی سے ہو ان میں سے حرارت اور گرمی بلکہ خود آگ کے شرارے نکلنے لگتے ہیں جیسے لوہے کو لوہے سے ٹکرانے سے چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں پتھر کو پتھر پر مارنے سے آگ کے شعلے نمایاں ہونے لگتے ہیں لکڑی پر لکڑی کی ضرب شدید پڑ جانے سے بعض اوقات شعلہ نمودار ہو جاتا ہے چقماق کی رگڑ سے آگ کا نکلنا سب ہی جانتے ہیں سمندر کے پانی میں بھی بعض اوقات رات کی اندھیریوں میں بھی چمکدار شعلے ابھرتے دیکھے گئے ہیں جنہیں فاسفورس کہا جاتا ہے جس سے واضح ہے کہ زندگی اور زندگی کی قوت نمائی کا تعلق عنصر آتش سے ہے جو ہر شئی کی خلقت میں پیوست ہے دوسرے عناصر سے نہ زندگی پہچانی جاتی ہے اور نہ اسکی بقا ہی سمجھی جاتی ہے چنانچہ مرنے کے بعد میت میں مٹی اور پانی کا عنصر کسی نہ کسی درجہ میں موجود رہتا ہے مگر پھر بھی اسے زندہ کوئی نہیں کہتا مگر حرارت کے نکلتے ہی سب کو اسکی موت کا یقین ہو جاتا ہے اور مرنے والے کو یہی کہتے ہیں کہ ٹھنڈا ہو چکا ہے یہ نہیں کہتے کہ گرما گیا ہے جس کے معنیٰ اسکے سوا کیا ہیں؟ کہ آتش ہی مدار حیات و بقا ہے بقیہ دوسرے عناصر مٹی و پانی وغیرہ مدار حیات نہیں پانی سے زندگی کے آنے کا بلا شبہ تعلق ہے اور بلا شبہ وہ حیات آور ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔ لیکن اگر پانی ہفتوں نہ ملے یا آدمی پینا ہی چھوڑ دے جیسا کہ بہت سے لوگ عادت ڈال لیتے ہیں تو خواہ آدمی

کمزور ہوجائے مگر مرتا نہیں لیکن حرارت نکل جائے تو ایک سکنڈ بھی زندہ نہیں رہ سکتا جس سے واضح ہے کہ زندگی کی بقا کا دارومدار حرارت پر ہے برودت پر نہیں پس پانی اور مٹی مددگار حیات ہیں مدار حیات نہیں اس لئے اس عنصری کائینات میں آگ بھی وہ عنصر نکلتا ہے جو اپنی فیض رسانی تاثیر سے اشیاء کو تھامے ہوئے ہے جس سے وہ اپنے نوعی آثار و خواص دکھلانے کی قابل ہوئی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آگ پر حق تعالیٰ کی صفت قیومیت یعنی اسم القیوم کی تجلی کا نور اترا ہوا ہے جو اس عنصر کے ذریعہ عالم کی تھام سنبھال کا کام لے رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان دیمقراطیسی ذرات سے مرکب کثیف اجسام اور تجلی کے درمیان یہ عنصر آتش ہی اصول حیات اور بقاء حیات کا واسطہ ہے جس پر القیوم کی تجلی جلوہ افروز ہے گویا اس اسم پاک کی تجلی کی سواری اور مرکب آتش ہے اور آتش کا مرکب اجسام کی یہ خلقت ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب بھی کسی خلقت کا کوئی ڈھانچہ خواہ وہ ذرّہ ہو یا پہاڑ فنا ہوگا تو آگ ہی آگ اس کے نیچے باقی رہ جائے گی البتہ اگر اس وجہ وجود (آتش) سے تجلی خالقیت اپنا سایہ اٹھا لے تو پھر یہ عنصر آتش بھی فنا ہوجائیگا کیونکہ بہر حال وہ مخلوق ہی ہے اور ہر مخلوق کا وجود آرضی اور روبہ زوال رہتا ہے۔

عنصر ہوا اور حقائق اشیاء سے اسکی مناسبت

ہوا کو دیکھا تو وہ آگ سے بھی زیادہ لطیف ہے آگ کی لپیٹوں کا درخت نظر تو آجاتا ہے لیکن ہوا اپنی لطافت کے سبب اتنی لطیف الجسم ہے کہ نظر تک نہیں آتی۔ پھر آگ کی لپیٹوں کا درخت تو ایک ہی جگہ جمار ہتا ہے اور اس سے شعلے اٹھتے رہتے ہیں آگ خود سے حرکت کر کے کہیں نہیں جاتی لیکن ہوا خود سے دوڑ کر ہر ایک خلا میں خود پہنچ جاتی ہے نہ اونچا دیکھتی ہے اور نہ نیچا گویا ہر وقت حرکت پسند ہے اور حرکت ہی جبکہ زندگی کا دوسرا نام ہے تو زندگی اور حیات سے اسکا گہرا ربط ثابت ہوتا ہے اسکی رطوبت سے اشیاء کی اندرونی قوی میں تازگی آتی ہے پھولوں میں خوشبو پھلوں میں رس ہڈیوں میں گودہ وغیرہ جوش زن ہوتا ہے ہو نہ ہو تو جمادو نبات اور حیوانات کی ساری اندرونی کیفیتیں ختم ہوجائیں جو ان اشیا کی روح ہیں اسی لئے اندرونی صحت کی بحالی کیلئے تبدیلی آب و ہوا کو بھی موثر مانا گیا ہے غذا و دوا اور پانی تو ہر خطہ کا دوسرے خطہ میں پہنچایا جاسکتا

ہےلیکن کسی خطہ کی ہوکسی دوسرے خطہ میں اٹھا کرنہیں لائی جاسکتی سوائے اس کے کہ خود اسکا جھونکا خود ہی پل بھر کیلئے گذر جائے اس لئے بحالیٔ صحت کی خاطر درحقیقت نئی ہوا ہی حاصل کرنے کیلئے سفر کئے جاتے ہیں جس سے واضح ہے کہ ہوا میں صورت آفرینی کے بجائے حقیقت آفرینی کی اور بدن سازی کے بجائے روح سازی کی شان پائی جاتی ہے سوحق تعالیٰ نے ہوا سے حقیقت آفرینی ہی کا کام لیا ہے جس سے اشیا کی ارواح نے جنم لیا اسی لئے انسان کی روح حیوانی کو ہوائی کہتے ہیں روح کی خلقت کا مادہ ہی ہوا ہے جس سے یہ ارواح بنتی ہیں اور وہی سرچشمۂ حس وحرکت یا منشاءِ نشوونما ہے ظاہر ہے کہ یہ سارے امور محسوسات سے ہیں جن کے لئے دلیل کی حاجت نہیں خلاصہ یہ کہ ہوا صورت آفرینی نہیں کرتی بلکہ حقیقت آفرینی کرتی ہے ہیئتیں نہیں بناتی بلکہ روحیں اور حقیقتیں بناتی ہے اسی لئے جیسے ہوا نظر نہیں آتی ایسے ہی اسکی یہ ساختہ پرداختہ حقیقتیں اور روحیں بھی آنکھوں سے نظر نہیں آتیں سب جانتے ہیں کہ حقیقت نفس الامری شئی اور مطابق واقعہ بات ہی کو کہتے ہیں خلاف واقعہ یا ناحق بات کوئی بھی حق یا حقیقت نہیں کہتا اسی لئے عرف عام میں جب کسی غلط اور باطل بات کورد کرکے اس کے مقابلہ میں حق بات کا دعوی کرتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے یعنی مطابق واقعہ اور واقعی اور سچی بات یہ ہے نیز لفظی ترکیب کے لحاظ سے بھی حقیقت کا مادہ اشتقاق حق ہے جس سے یہ لفظ حقیقت بنا ہے عرف عام میں بھی حقیقت امر حق ہی کو کہتے ہیں جو واقعہ ہو اس سے واضح ہے کہ حقیقت کا تعلق حق سے ہے باطل سے نہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ حق اللہ جل شانہ کے ناموں میں سے ایک پاک نام ہے کیونکہ اصل واقعہ اور ثابت صرف اسی کی ذات بابرکت ہے جہاں باطل پر نہیں مار سکتا قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا کہ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج

بلند (وبالا) ہے اللہ جو بادشاہ (حقیقی) اور حق (ثابت) ہے (جس کے واقع ہونے میں کسی ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں) جس سے واضح ہے کہ اصل سچّائی اور خالص حقیقت صرف اسی کی ذات اقدس واعلی ہے اور اسکے سوا سب باطل ہے الا کل شئی ما خلا اللہ باطل پھر نہ صرف یہ کہ اسکی ذات اقدس عین حق وصداقت ہی ہے بلکہ وہی معیار حق بھی ہے ہر چیز اس سے

واسطہ ہو کر ہی حقیقت اور سچائی بنتی ہے اور اس سے کٹ کر باطل بے وجود اور بے اصل رہ جاتی ہے پس حق کو حق کرنے والی اور باطل کو باطل بنا دینے والی ذات بھی اسی حق مبین کی ہے قرآن حکیم نے اسی احقاق حق اور ابطال باطل کی شان کو بیان کرتے ہوئے اسی کی ذات کو حق کا حقیقی معیار بھی ظاہر فرمایا لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۸﴾ تا کہ (وہ رب العزت) حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھلائے اگرچہ ناحق پرست (ناک بھوئیں چڑھائیں) اور برا مانیں اندریں صورت جب حقیقت کا تعلق جب حق سے نکلا تو حقیقت میں بھی وہی حق ہونے اور مطابق واقعہ کی شان آنی ضروری تھی جو حق میں ہے کہ جیسے حق بوجہ لطافت کاملہ جسم اور جسمانیات سے پاک ہے اسی طرح حقیقت اور روح بھی مادی کثافتوں سے پاک ایک معنوی چیز ہے اور جیسے ذات حق بوجہ انتہائی لطافت کے نادیدہ ہے جو نگاہوں کی گرفت میں نہیں آ سکتی ایسے ہی روح اور روح کی معنوی حقائق و کیفیات بھی معنوی ہی ہیں جو نگاہوں میں نہیں آ سکتی ادھر مادۂ ہوا کو دیکھو تو وہ بھی انتہائی لطافت لئے ہوئے ہے جیسا کہ ابھی واضح ہو چکا ہے اور وہ بھی حقائق و ارواح اور کیفیات کی طرح آنکھوں سے نظر تک نہیں آتا تھا اس لئے تمام عناصر میں قدرتی طور پر ہوا کو حقیقت اشیاء پہ اور روحانیات سے جو مناسبت ہو سکتی تھی وہ کسی اور عنصر کو میسر نہ تھی بخلاف دوسرے عناصر کے کہ وہ ظاہری جسم و صورت اور رنگ و روپ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے ہوا سے نفس و ہیئات نفسانی کی تولید کا کام لیا اور اسی مادۂ لطیف سے نفس انسانی یا نسمہ یا بالفاظ اطبا روح حیوانی کی تخلیق فرمائی چنانچہ انسانی نفس یا نسمہ کو جہاں روح طبعی یا روح حیوانی کہتے ہیں، وہیں روح ہوائی بھی کہتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہوا پر حق تعالیٰ کے اسم الحق کی تجلی کا نور اترا ہوا ہے جو ہوا کے واسطہ سے ارواح و حقائق کو وجود دے رہا ہے جس سے ہر نفس میں نہ صرف لطیف حقیقت ہی آئی بلکہ لطیفی کے ساتھ خبیری اور ہدایت پذیری کا جوہر بھی پیوست ہوا جو لطافت کا خاصہ ہے جس سے ہر نفس اپنے طبعی وظائف اور ضروریات زندگی کو پہچان سکا اور اپنے موجد حقیقی مالک الملک کو بھی بقدر استعداد شناخت کر سکا اور طبعی انداز میں اس کی تسبیح اور تقدیس پر گامزن ہو سکا ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ط (سورۃ النور: ۴۱)

پس عنصر ہوا جبکہ الطف العناصر تھا اور ارواح و کیفیات نفس بھی گہری لطافت کا جوہر لئے ہوئے تھی تو حق تعالیٰ نے ہوا کو ارواح و نفوس ہی کی تخلیق کا مادہ بنایا اور اس سے روحانی اوصاف کو جنم دیا۔

تجلیٔ خلقت اور تجلیٔ ہدایت

اب اگر اس مضمون کو سمیٹا جائے اور عناصر اربعہ پر تجلیات اربعہ اتری ہوئی تسلیم کر لی جائے جو اسمائے الٰہیہ کے انوار ہیں تو اس تفصیل کے بعد دو نوعوں میں منقسم شدہ نظر آئیں گے ایک نوع تجلیٔ خلقت ہے جو شئی کو محض ہستی اور موجودگی بخشتی ہے جس سے وہ شئی موجود کہلاتی ہے اور ایک نوع تجلیٔ ہدایت ہے جو اس شئی میں اس کے مناسب نوعیت طبعی شعور و رہنمائی اور ہدایت پیدا کرتی ہے ایک تجلی کا کام زندگی کا دینا ہے اور ایک کا کام بندگی عطا کرنا ہے ایک اس کی بود و نمود اور بقا کا کام کرتی ہے اور ایک اس میں علم و شعور اور راہنمائی پیدا کرتی ہے تا کہ وہ اس عالم اسباب میں اپنی بقا کے ظاہری و باطنی وسائل فراہم کرتی رہے اور ساتھ ہی اسباب کے ساتھ مسبّب الاسباب کو اپنے شعور کی حد تک پہچانتی رہے خواہ وہ راہنمائی طبعی انداز کی ہو جس میں شعور نہ ہو جو جمادات و نباتات کو دی گئی ہے اور خواہ اس میں شعور بھی ہو گو اسکا ادراک نہ ہو جو حیوانات کو دی گئی ہے اور خواہ اس میں شعور کے ساتھ فہم و ادراک اور سوچ سمجھ کا رنگ بھی ہو جس سے ان میں کسب و اکتساب اور بات میں سے بات نکالنے کی قوت بھی ہو جو انسان کو دی گئی ہے غرض ان مربی کائنات میں تجلیات کی یہ دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک تجلیٔ خلقت اور ایک تجلیٔ ہدایت۔

قرآنی ثبوت

قرآن حکیم نے حسب ذیل الفاظ میں ان ہی دونوں پہلوؤں کو ان الفاظ میں واشگاف فرمایا ہے رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۝۵۰ رب ہمارا وہ ہے جس نے ہر شئی کو اس کی خلقت (اسکے مناسب نوعیت) عطا کی پھر اسے (فطری) رہنمائی دی جسے اسکی جبلت اور طبیعت میں پیوست فرما دیا اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔

اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۝۵۰

ای سوّٰی خلق کلشئی ثم ھدیٰ ای ھداھا لما یصلحھا و علمھا

اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ خلق شئی یا خلقت عطا کرنے کی معنیٰ یہ ہیں کہ اسکی ظاہری اور باطنی بدنی اور جانی خلقت ڈھال دی اسکا ڈھانچہ اور ڈھانچہ میں روح نباتی یا حیوانی یا انسانی ڈالکر اسے درست اور برابر کیا انسان کو انسانی صورت دی اور بہائم کو بہائم کی نباتات کو نباتات کی اور جمادات کو جمادات کی غرض ہر شئی کو اس کی نوعیت کے مطابق خلقت اور ظاہری اور باطنی صورت عطا کی جس سے وہ شئی دنیا میں نمودار ہوئی اور موجود کہلائی اور ثم ھدیٰ کے معنیٰ یہ ہیں کہ پھر اسکی خلقت میں اسکی ہی نوع کی مناسب حال وہ طبعی رہنمائی بخشی جس سے وہ اپنے طبعی رنگ ڈھنگ کے کھانے پینے غذا حاصل کرنے رہنے سہنے مکان و مسکن گھونسلا یا بٹ یا بلڈنگ بنانے نر و مادہ میں مباشرت کے انداز اختیار کرنے بچوں کو اپنی نوع کی مناسب شان پال پرورش کرنے اپنی نوعیت کے مطابق اپنے رب کو پہچاننے اسکے لیئے اپنے ہی ڈھانچہ کی ہیئت کے مطابق تسبیح و نماز ادا کرنے اور اسکی حمد و ثنا کیلئے زبان کھولنے کی طرف طبعی تقاضوں سے متوجہ فرما دیا تا کہ وہ خود بہ خود بتقاضائے طبیعت بلا کسی کے سکھلائے اور بتلائے کے پیدا ہوتے ہی خود بہ خود ادھر چل پڑے اور اپنے طبعی وظائف ادا کرے۔

دونوں تجلیات کا محل استقرار

ظاہر ہے کہ تجلیٔ ہدایت چونکہ عالم بالا کے لطائف سے ہے اور الطف ترین تجلیات ہے تو اس میں عنصر ہوا کو اختیار کر کے جو الطف ترین عناصر ہے انفاس اشیا کو اپنا مستقر ٹھہرایا اور درجہ بدرجہ نفوس میں ہدایت طبعی و عقلی اور شعوری غیر شعوری کا کام اپنے ذمہ لیا اور تجلیٔ خلقت میں دوسرے عناصر آب و خاک و آتش کو اپنا محل فیضان بنایا جس سے درجہ بدرجہ ان نفوس میں ہستی اور موجودگی آئی حیوانات اور جمادات و نباتات میں ان کے حسب حال ادنی و اعلی وجود عطا کیا بہر حال تجلیٔ خلقت و ہدایت کا فیضان بامر خداوندی جاری ہے اور عالم کی جزئیات خلقت و ہدایت کا جامہ زیب تن کر کے پردۂ دنیا پر نمودار ہو رہی ہیں اور اپنی اپنی نوعی خاصیتیں اور افعال نمایاں کر رہی ہیں۔

اصل مبداء فیض

لیکن ان تمام حقائق کو سامنے رکھ کر اگر حقیقت الحقائق کو گہری نظر سے دیکھا جائے تو وہ صرف ایک ہی غیبی نور ہے جو زمینوں اور آسمانوں میں پھیلا ہوا ہے اور ان تجلیات کے ذریعہ کام لے رہا ہے جسکی قرآن حکیم میں ان الفاظ میں نشاندہی فرمائی ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نور ہدایت دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا پس یہ نور خداوندی جب تجلی خلقت کے واسطے سے اشیاء کائنات پر اترتا ہے تو اعیان واکوان کو ہستی اور موجودگی سے سرفراز کردیتا ہے اور اسی محل کا روپ اختیار کرلیتا ہے جس پر وہ اترا ہے جیسے بجلی کا کرنٹ جو محض روشنی کی ایک قوت ہے جس ہیئت کے قمقمے میں نمودار ہوتی ہے اسی قمقمے کی فیوز کی شکل اختیار کرلیتی ہے پھر وہی نور خداوندی جب تجلی ہدایت کے واسطے سے اشیاء میں اترتا ہے تو طبائع میں شعور اور نور معنوی کی صورت اختیار کرلیتا ہے جس کی کوئی حسی صورت نہیں ہوتی یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے شجرہ طور پر جب تجلی اتری تو اس نے آگ کی شکل اختیار کی جس سے موسیٰ علیہ السلام میں منصب پیغمبری کا وجود ہوا اور وہی تجلی جب قلب موسوی پر اتری تو اس نے علم وکمال کی معنوی صورت اختیار کرلی جس کی کوئی حسی صورت نہ تھی بلکہ صرف ایک ہیئت نفسانی اور معنوی حقیقت تھی جس کی کوئی حسی صورت نہیں ہوتی فرق اتنا ہے کہ پہلی قسم کی محل تجلی کو حسی آنکھ اور چشم بصارت بھی دیکھ سکتی ہے اور دوسری قسم کے محل تجلی کو صرف بصیرت قلبی ہی کی آنکھ دیکھ سکتی ہے چشم بصارت عاجز رہ جاتی ہے۔

ذراۃ میں پوشیدہ آگ محل تجلی ہے

ان حقائق کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو یہ باور کرلینا کچھ مشکل نہ ہوگا کہ اگر تجلی بصورت آتش ذراۃ کے مادہ پر آئی ہوئی ہو اور سائنس دانوں کی آنکھ نے فنائے ذراۃ کے بعد اسے دیکھ لیا ہو تو درحقیقت وہ محل تجلی کا دیکھ لینا ہے جو آگ تھی عین تجلی کا دیکھنا نہیں کہ وہ آنکھ کی گرفت سے بالاتر اور مستور محض تھی صرف اسکا محل استقراء ہی سامنے آیا جسے انہوں نے دیکھ لیا لیکن محل کا دیکھنا اس میں سمائے ہوئے حال ہی کا دیکھنا شمار ہوتا ہے جیسے کسی کے بدن کو دیکھنا اور

اسکی روح اور حقیقت کا دیکھنا ہی شمار ہوتا ہے یا جیسے گلاب کی پنکھڑیوں کا سونگھنا اسمیں رچی ہوئی خوشبو ہی کا سونگھنا ہوتا ہے وہ خود گونظر نہیں آتی صرف اسکی پنکھڑیاں ہی نظر آتی ہیں لیکن ان کا دیکھنا ہی جب کہ ان سے خوشبو پھوٹ رہی ہو خوشبو ہی کا دیکھنا باور کیا جاتا ہے اس لئے اگر ماہرین سائنس نے ایٹمی ذرات کے نیچے ان کی فنا کے بعد آگ دیکھی جس سے ذرات کا وجود تھما ہوا تھا تو درحقیقت انہوں نے تجلی خلقت کے محل کو دیکھا جو آگ تھی مگر معناً اسکو تجلی کا دیکھنا کہا جائے گا خواہ وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہی تجلی اس آگ کو محل استقراء بنائے ہوئے اس کے پردہ میں اپنا کام کر رہی ہے اوران ذراۃ کی ہستی وہ بقا کو قائم کئے ہوئے تھی تو جوں ہی ذراۃ کی فنا کا وقت آیا تو اس محل تجلی یعنی آگ نے اسے چھوڑ دیا اس لئے وہ تو مٹ گئے اور نیچے آگ ہی آگ باقی رہ گئی جو فنا سے پہلے انکی خلقت اور وجود کو تھامے ہوئے تھی پس سائنس دانوں نے تجلی تو نہیں دیکھی جو حسی آنکھ سے نظر نہیں آسکتی تھی مگر آگ کی صورت میں محل تجلی ضرور دیکھ لیا جو اس موقع پر تجلی ہی کا دیکھنا شمار ہوگا اس لئے تجلی کا ثبوت سائنسی اصول پر ایک حد تک مشاہدات سے بھی ہوجاتا ہے جسے اثبات تجلی کا عیانی ثبوت کہا جائے گا۔

تجلی اور مادہ کا علاقہ

اس بیان سے جہاں اس آگ کی حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ محل تجلی خلقت تھی جس سے سائنس دانوں نے اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا وہیں ان مادی اجزا یا ایٹمی ذرات سے اس کا علاقہ اور راستہ بھی کھل گیا کہ وہ فاعل وقابل ظاہر ومظہر اور مؤثر ومتاثر کا علاقہ ہے جبکہ آگ میں تو تجلی تھی اور تجلی میں نور ربانی کا عکس تھا جس کی تاثیر سے یہ آگ ذرات کی خلقت کے حق میں مؤثر بنی ہوئی تھی۔

عناصر اربعہ میں کارفرما تجلیات

پھر اسی سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ ان چار عناصر آب وخاک وآتش وہوا کی ترکیب سے جو موالید ثلاثہ جمادات نباتات اور حیوانات پیدا ہوئے تو ان میں اس کی صورت پذیری تو ذرات خاک یعنی عنصر خاک نے کی جو اس عالم کی پیدائش کا مادہ ہے تو وہ اللہ کے اسم

المصور کا تجلی گاہ بن گئی پانی نے حیات آفرینی کا کام کیا تو وہ اللہ کے اسم الحی کا تجلی گاہ بن گیا اور آگ نے قیومیت کا یعنی ان نفوس کے تھامے رکھنے کا کام سنبھالا تو وہ اللہ کے اسم القیوم کی تجلی گاہ بنا اور ہوا نے ان میں ہدایت آفرینی اور حقیقت شناسی کا کام انجام دیا تو وہ اللہ کے اسم الحق کا تجلی گاہ بن گیا جو حق اور حقانیت کا مرکز اور مرجع ہے اور اس طرح عالم عنصری میں ترتیب وار یہ چار اسمائے خداوندی المصور الحی القیوم اور الحق کے انوار تجلی کارفرما ہیں جس سے اس عالم کی بود و نمود اور ہدیت و رہنمائی نمایاں ہو رہی ہے چنانچہ مقام تخلیق بیان کرتے ہوئے تو قرآن کریم نے اسم باریٔ نسمہ اور مصوری کا ذکر فرمایا هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ اور مقام ہدایت وعبادت کا ذکر کرتے ہوئے جس کا تعلق روحانیت سے ہے حی و قیوم کی صفت کا تذکرہ فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اسکے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں زندہ ہے سنبھالنے والا ہے تمام عالم کا بہر حال ان صفات الٰہیہ کے نور کے تصرفات سے یہ سب اشیاء اپنے خواص و اثار دکھلا رہی ہیں جس سے کائنات مظہر اسماء و صفات بنی ہوئی ہے

الحاصل تجلیٔ خداوندی کی جنس کا ثبوت ۔قرآنی ۔ برہانی ۔ اور عرفانی ۔ وعیانی ۔ دلائل سے ہو جاتا ہے جس سے تجلی کے بے شمار انواع خود بخود ثابت ہو جاتے ہیں اس لئے تجلی سے اہل قرآن تو منکر ہو ہی نہیں سکتے لیکن ان استدلالات کے بعد اہل معرفت اہل عقل اہل حس اہل مادہ اور اہل سائنس بھی کوئی وجہ انکار محسوس نہ کر سکیں گے لیکن ممکن ہے تفاصیل اور تفریعات کے جویا یا فخر پسند افراد جنس تجلی کے اس عرفانی ، برہانی ، قرآنی اور عیانی ثبوت پر قناعت نہ کر سکیں اور تفریعی جزئیات کے بغیر ان کا ضمیر مطمئن نہ ہو سکے اس لئے تجلی کے بارہ میں کسی حد تک استنباطی ثبوت کی ضرورت بھی ہے جو اس طبقہ کیلئے بھی تسلی کا باعث ہو تو اسے ذیل کی ان سطروں میں ملاحظہ فرمایا جائے جس میں تجلی کے بارے میں عرفاء امت اور اذکیاء ملت نے استنباطی تحقیقات بھی پیش کر دی ہیں جو صرف عالم دنیا ہی تک محدود نہیں بلکہ عالم آخرت اور عالم بالا کی تجلیات کی بھی کتنی نوعیں ثابت کر کے دکھلائی ہیں ۔

تجلی کا وجدانی ثبوت ۔اور۔تجلیات کی رنگارنگی

تجلی کا منصوص ثبوت واضح ہوجانے کے بعد ضرورت تھی اس بات کی کہ استنباطی تجلیات کے اصول بھی سامنے لائے جائیں جن کی رو سے عرفاء امت نے عالم غیب وشہادت کی کتنی ہی تجلیات کا پتہ دیا ہے اور کتاب وسنت کی تصریحات کے علاوہ اپنی قلبی بصیرت سے حق تعالیٰ کے اسماء وصفات اور شئون کی بے شمار تجلیات کھولدی ہیں جن کی نوعیت یہ ہے کہ ان عرفاء امت نے انواع کائنات کی خصوصیات اور ان کے خواص وافعال اور آثار دیکھ کر جس اسم الٰہی کی تاثیر ان میں غالب ومؤثر دیکھی اور اس اسم کی تجلی کے انوار کا اسمیں مشاہدہ کیا تو اسی اسم کا اسے تجلی گاہ قرار دیا۔ بہرحال اس قسم کی انواع کی مناسب حال تجلیات کا پتہ چلایا اور انھیں اپنے نور باطن سے مشخص کر دیا ہے تخیل محض سے نہیں بلکہ کتاب وسنت کے اصول کو رہنما بنا کر وجدان باطنی سے کام لیا اور انھیں مستنبط کیا ہے۔

تجلی کیلئے قرآنی اشارے

البتہ جہاں قرآن وسنت نے خود ہی کسی محل کیلئے لفظ تجلی صراحتاً استعمال کیا ہے تو وہاں استنباط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ سے جبل کی تجلی عبارت قرآنی ہی سے صراحتاً ثابت ہورہی ہے لیکن جہاں قرآن وحدیث نے تجلی کا لفظ تو ذکر نہیں کیا مگر حقیقت ادا کی ہے جو تجلی کے سوا کسی اور چیز پر چسپاں نہیں ہوسکتی تو وہاں ان حکماء امت نے ان معانیٔ تجلی سے تجلی ثابت کی ہے جیسے شجرۂ طور کی ناری تجلی کے ذکر میں لفظ تجلی قرآن حکیم میں کہیں مذکور نہیں مگر باجماع علماء اس نار سے تجلی ہی مراد ہے ذات واجب مراد ہے اور نہ وہ مراد لی ہی جاسکتی ہے کہ ذاتِ واجبہ معاذ اللہ کسی درخت پر اتر آئے یا آگ میں حلول کر جائے کہ یہ محالات میں سے ایک قطعی محال ہے جیسا کہ اسکی تفصیلی بحث گذر چکی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ اس آگ ہی سے اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ کی آواز آرہی تھی کہ میں اللہ ہوں اور ادھر اس نار کو عین خدا ماننا بھی محال قطعی تھا تو بجز اسکے چارۂ کار نہیں تھا کہ اسے عکس ذات اور تجلیٔ ربانی ہی مانا جائے چنانچہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ نار ذات کی ایک تجلی تھی خود ذات واجبہ نہ تھی درآنحالیکہ اس موقع پر تجلی کا کوئی لفظ مذکور

نہیں صرف حقیقت تجلی کی ادا کی گئی ہے جسکی مزید تفصیل اپنے موقع پر آ رہی ہے اس لئے یہ بھی مثل النص ہی کے شمار ہوگی لفظاً نہ سہی تو معناً ہی سہی عبارتاً نہیں تو اقتضاءً ہی سہی اور اقتضاء النص بھی بہرحال نص ہی ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی منصوص یا سما المنصوص تجلیات کیلئے اجتہاد یا استنباط کی ضرورت نہیں۔

اس سے کم سے کم اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے تجلی کے ثبوت کیلئے ہر جگہ لفظ تجلی کا مذکور ہونا ضروری نہیں بلکہ تجلی کے معنیٰ کا موجود ہونا بھی ثبوت کیلئے کافی ہے مگر علماء امت ہی ایسے مواقع پر تجلی ثابت کر کے اسے مشخص کر سکتے ہیں یہ عوام کا کام نہیں گو وہ کوئی ڈگری بھی اپنے بغل میں دبائے ہوئے ہوں ۔

ثبوت تجلی کے تین اصول

بہرحال تجلی کے سلسلے میں قرآن حکیم کے اس عمومی اسلوب بیان سے کہ لفظوں ہی سے نہیں بلکہ معنی کی رو سے بھی تجلی مانی جا سکتی ہے حکماء امت کیلئے یہ گنجائش نکل آتی ہے کہ وہ کائناتی انواع کی نوعی صورتوں اور ان سے صادر شدہ افعال وخواص کو دیکھ کر بھی اپنے نور باطن سے ان میں اسی نوع کی تجلی کا سراغ لگا لے جو اس نوع میں تدبیر وہ تصرف کر رہی ہو اور اپنے استنباط سے اس تجلی کا پتہ دے رہی ہے، اس طرح تجلیات کے ثبوت کے تین طریقے نکل آتے ہیں ایک یہ کہ تجلیات کا ثبوت صریح عبارت النص سے ہو اور لفظ تجلی وہاں مذکور ہو دوسرے معانی تجلی سے تجلی کا ثبوت ہو جبکہ وہ معنیٰ بجز تجلی کے دوسرے کسی بھی مفہوم پر منطبق نہ ہوتے ہوں اور تیسرے مواقع تجلی کے احوال و آثار سے تجلی مشخص کر کے ثابت کی جائے جس کیلئے عرفا کی بصیرت اور حکماء کی حکمت ہی ذریعہ ہو سکتی ہے جیسا کہ فقہی فروعات کیلئے ائمہ مجتہدین کا تفقہ اور اجتہاد ہی ذریعہ بنا اور بن سکتا ہے اسی طرح بے شمار اور رنگارنگ تجلیات خداوندی کا ثبوت اہل حقائق کے اکتشافات اور استنباطات سے مل جاتا ہے جسے ہم تجلی کا وجدانی ثبوت کہہ سکتے ہیں اور اس طرح تجلیات کا مسئلہ جہاں قرآنی برہانی عرفانی اور عیانی طور پر ثابت ہے وجدانی اور استنباطی طور پر بھی ثابت ہو کر تمام علمی طبقات کا اجماعی مسئلہ بن جاتا ہے ایسی تجلیات کی سینکڑوں مثالیں ہیں مگر ان اوراق

میں ان کا سمیٹنا مشکل بھی ہے اور غیر ضروری بھی تاہم مثال کے طور پر چند انواع تجلیات کا ذکر کر دیا جانا کافی ہوگا جن سے تجلیات کی رنگارنگی بھی نمایاں ہو جائے گی اور اہل باطن کے وجدانی اور کشفی رنگ کی نوعیتیں بھی واشگاف ہو جائیں گی۔

رنگ برنگ تجلیات

تجلی اول یا تجلیٔ ایجاد، مثلاً کعبۂ مقدس کی تجلی کیلئے لفظ تجلی قرآن حکیم میں کہیں مذکور نہیں حالانکہ علماء متقدمیں و متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ عمارت کعبہ کے احاطہ میں تجلی آئی ہوئی ہے جس سے زمین اور زمینی مخلوق کا آغاز ہوا اور کائنات بنی شروع ہوئی یعنی یہ تجلی وجود کی تجلی تھی گویا اسم المبدی کے نور سے مستنیر تھی چنانچہ متاخرین میں سے حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی یہ عبارت اس بارے میں گذر چکی ہے جسے ہم یہاں بھی مکرر لکھے دیتے ہیں جو مناسب مقام ہے۔ پس اس مکان (کعبہ) کے قبلہ ہونے کی وجوہ میں سے بہترین وجہ اس مقام میں ظہور تجلیٔ الٰہی ہے کہ یہ ساری تعظیمیں اور محبتیں اس تجلی پر واقع ہوتی ہیں اور گوناگوں دعاوں کے حصے اور رنگارنگ افکار (اذکار) اس پر جا کر گرتے ہیں اور یہ تجلی انتہائی وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ ہے جس نے اس بقعۂ مبارک (حصۂ زمین بیت اللہ) کو نور عظیم کے ساتھ اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے اور ملائکہ کی فوجوں کو اپنی خدمت واطاعت پر لگا رکھا ہے اور اسی کے ساتھ تجلی کی یہ دوسری وجوہ بھی ذکر میں آچکی ہیں جن سے واضح کیا جا چکا ہے کہ کعبۂ مقدسہ کی یہ تجلی محض وجودی ہی نہیں بلکہ ایجادی بھی ہے کہ اسی سے کائنات کا آغاز ہوا جس کی وجوہ استنباط تفصیل کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے۔

تجلی اعدام یا تجلی اماتت

اسی طرح اس کائنات کے اختتام کے بارے میں جسکا نام قیامت ہے حکماء اسلام نے نصوص کی روشنی میں پتہ چلا لیا کہ اس دن تجلی قہری کا ظہور ہوگا جس سے یہ ساری کائناتیں چکنا چور ہو کر نیست و نابود ہو جائیں گی اور یہ تجلی بادل کی صورت میں نمایاں ہوگی جس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا جیسا کہ قرآن حکیم سے اسکا صاف اشارہ ملتا ہے **وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ**

بِالْغَمَامِ اورجس دن بادل کےٹکڑے سے آسمان پھٹ پڑیگا چنانچہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے قیامت کی ان انہدامی اورخراباتی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے اسے قہری تجلی ہی کا ظہور قرار دیا ہے فرمایا کہ جہانوں کی اس تخریب وفنا کے بعد حق تعالیٰ صورت ہیبت وجلال سے فرمایں گے کہ اَیْنَ الْجَبَّارُوْن؟ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ؟ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ؟ کہاں ہے زوروجبر والے؟ کہاں ہے بڑا بول بولنے والے؟ آج کس کی حکومت ہے؟ جب کوئی بھی جواب دینے والا نہ ہوگا کہ سب نیست ونابود ہو چکے ہوں گے تو خود ہی جواب میں فرمایں گے کہ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار! آج سارا زوروجبر بڑا بول اورحکومت صرف ایک اللہ کیلئے ہے ان قہر آلود جملوں اور غضبناک لہجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے استنباط فرمایا کہ یہ دن تجلیٔ قہری کے ظہور کا ہوگا جس کی نوعیت اپنے ان الفاظ میں ظاہر فرمائی ہے کہ یہ آسمانوں کا تڑخ کر پھٹ جانا اس طرح ہوگا کہ اک عظیم جسم بادل کے مشابہ زیر عرش سے اترے گا اور اسکے تصادم اور ٹکر سے آسمانوں کے اجسام پاش پاش ہوجائیں گے درحقیقت یہ بادل حق تعالیٰ کی تجلی قہری کی صورت ہوگی جو تخریب عالم کی طرف متوجہ ہوگی۔

اس استنباط سے واضح ہے کہ یوم قیامت پر حق تعالی کی صفت القہار کی تجلی ہوگی جسے تجلیٔ قہری کہا گیا ہے گو تجلی کا لفظ یہاں موجود نہیں مگر معنیٰ تجلی ہی کے ہیں جن سے علماء حق نے تجلی ہی کا استنباط کیا ہے چنانچہ قرآن عظیم نے بھی اس تخریب کائنات کے ذکر کے موقع پر اللہ کی جس صفت کا ذکر کیا ہے وہ صفت القہار ہی ہے فرمایا گیا کہ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ جس روز دوسری زمین بدل جائے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہوں گے ممکن ہے کہ اس نص ہی سے حضرت شاہ صاحبؒ نے تجلی قہری کا عنوان اخذ فرمایا ہو جبکہ اس دن صفت القہار ہی کا ظہور ہوگا اور اسکا مظہر بصورت بادل ہوگا۔

تجلیٔ عرش

اسی طرح اوراعیان کائینات کی خصوصیات دیکھ کران کے بارے میں آج بھی اشارات

نصوص سے تجلیات کی تشخیص کر لی جائے تو وہ سلف ہی کا نقش قدم ہوگا کوئی ابتدائی قدم نہ ہوگا مثلاً عرش عظیم کے بارے میں ارشاد قرآنی ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۝ رحمن عرش پر چھا گیا۔

یہاں استواء عرش کیلئے اسم ذات لفظ اللہ نہیں لایا گیا بلکہ الرحمن کا لفظ استعمال کیا گیا یعنی ذات کے بجائے صفت رحمت کو وصف عنوانی قرار دیا ہے جس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ رحمت والا عرش پر چھا گیا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرش پر اسم الرحمن کی تجلی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ کائناتوں کے اس واحد اور بے مثال تخت سلطنت سے ہر تدبیر وتصرف رحمت ہی کے تحت کیا جارہا ہے نہ کہ قہر وغضب کے زیر اثر اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ عرش عظیم حق تعالیٰ کے اسم الرحمن کی تجلی گاہ اور صفت رحمت کا مظہر اتم ہے جس سے عالم کے نظام وتدبیر مین نوع بہ نوع رحمتوں کا ظہور ہورہا ہے چنانچہ عرش عظیم پر کسی مخلوق کا نشان نہیں صرف ایک لوح کا نشان ملتا ہے کہ وہ عرش پر رکھی ہوئی ہے جو زمینوں اور آسمانوں سے کہیں بڑی ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ ان رحمتی سبقت غضبی۔ میری رحمت میرے غضب سے آگے آگے ہے گویا یہ حکومت الٰہی کی پالیسی اور حکمت عملی ہے جسے تخت سلطنت پر بطور دستاویز کے لکھ کر رکھ دیا گیا ہے کہ اس مالک الملک اور شہنشاہ کائنات کی حکومت کی پالیسی رحمت ہے نہ کہ غضب وقہر بلکہ قہر وغضب بھی صورتاً ہی ہوتا ہے منشا اس کا بھی رحمت ہی ہے۔

پس افرادِ امت سے استدعا ہے کہ ان اعتبارات کو جو پیش کی گئی ہیں ملحوظ رکھیں اور پھر غور کریں کہ حق تعالیٰ بذریعہ تجلیات ہم سے کس قدر قریب ہیں۔اور غور کریں کہ کس طرح کائنات میں ظاہر بذاتہ ومظہر لغیرہ سے ظاہر وباہر ہیں۔ان کے اقرب ہونے کو مستحضر رکھ کر اپنی اصلاح ظاہری وباطنی کی سعی فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل خیر کی توفیق بخشے۔آمین

تصانیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن قاسمی صاحب دامت برکاتہم

۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام
۲ حالات اور تعلیمات محبوب سبحانیؒ
۳ زندگی میں غم کیوں، مصائب کیوں، علاج کیا
۴ مختصر حالات مچھلی والے کمال شاہ
۵ دعائیں کس طرح قبول ہوتی ہیں
۶ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
۷ تلاوت قرآن آداب وفضائل
۸ ایمان اجمال تفصیل تحقیق
۹ بیعت حقیقت اقسام احکام
۱۰ نغمہائے نورانی (۱، ۲)(۳)
۱۱ نغمہائے نورانی (۳)
۱۲ سلوک کے دو اہم مدارج
۱۳ استعانت کے طریقے
۱۴ دو برکت والی راتیں
۱۵ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۱۶ خودشناسی وحق شناسی
۱۷ ہدایت اور راہِ اوسط
۱۸ سورۃ الکوثر کا پیغام
۱۹ تقلید کیا اور کیوں
۲۰ شیطان سے جنگ
۲۱ طریقہ صلوٰۃ وسلام
۲۲ پہلا درس بخاری
۲۳ تفسیر سورۃ الفاتحہ
۲۴ ایمان واحسان
۲۵ سورۃ الاخلاص
۲۶ خدا کی پہچان
۲۷ علم اور اہل علم
۲۸ افکارِ سالک
۲۹ تجلیات الٰہیہ
۳۰ سیدھا راستہ
۳۱ احوال دل
۳۲ سکونِ دل
۳۳ سیر النفس
۳۴ خوف الٰہی
۳۵ زکوٰۃ
۳۶ قربانی
۳۷ ولایت
۳۸ کلمہ طیبہ
۳۹ جنت
۴۰ مجاہدہ

ملنے کا پتہ:

Md. Fazl e Rahman Mahmood

H. No. 19-4-281/A/39/1, Nawab Sahab Kunta, Saleheen Colony,
Near Nehru Zoological Park, Hyderabad, 53, T.S., INDIA
Phone : 040-24476095 - Cell : 7702626695
Website : www.silsilaekamaliya.com

AISH Offset Printers, 65871440, 9346338145, 9391110835